

داعی رجوع الی القرآن بانی تنظیم اسلامی
محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے شہرہ آفاق دورہ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیان القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر
کی شہرہ آفاق پزیرائی اور مقبولیت
کے بعد اب پیش ہے:

مختصر بیان القرآن

ترجمہ مع منتخب حواشی

فوری ہوم ڈیلیوری
کے ساتھ

مضبوط جلد
دیدہ زیب ٹائٹل
1248 صفحات

ڈیکس ایڈیشن: 4500 کے بجائے 2200 روپے
سٹینڈرڈ ایڈیشن: 2500 کے بجائے 1500 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور
36-K، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-(042)35869501
maktaba@tanzeem.org 0301-1115348

سلسلہ اشاعت کے 60 سال
ربیع الاول 1438ھ
اگست 2016ء

بیان القرآن

QR Code

کے از مطبوعات
تنظیم اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمد

ہاڈم اللذات
رسول اکرم ﷺ اور ماحول کا تحفظ
تصور اقامت دین

زوالِ اُمت مسلمہ: اسباب، سبق اور نشاۃ ثانیہ کا راستہ
مقدسات کی حرمت، تحفظ اور ریاست کی ذمہ داریاں
بدلتی عالمی صورتحال اور پاکستان کے چیلجہ داخلی مسائل

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (المائدة: ٤)
 ”اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے ميثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!“



جلد : 75
 شمارہ : 8
 ربیع الاول 1448ھ
 اگست 2026ء
 فی شمارہ : 60 روپے
 سالانہ زرعادون : 600 روپے

مجلس ادارت

• رضاء الحق • ایوب بیگ مرزا
 • خورشید انجم • وسیم احمد

معاون مدیران

• محمد خلیق • حافظ محمد زاہد

مدیر مسئول

شجاع الدین شیخ

مدیر اعزازی

حافظ عاکف سعید

مدیر

حافظ خالد محمود خضر

رابطہ برائے ادارتی امور (042) 38939321 | مرکزی دفتر تنظیم اسلامی ”دائر الاسلام“ ملتان روڈ چوہنگ لاہور
 (پوسٹل کوڈ 53800) فون: 78-35473375 (042) publications@tanzeem.org
 ویب سائٹ www.tanzeem.org , www.tanzeemdigitallibrary.com

مکتبہ خدام القرآن لاہور، 36-K، ماڈل ٹاؤن لاہور 54700

فون: 3-35869501 (042) ، 0341-4941212

ای میل: maktaba@tanzeem.org

پبلشر: سکریٹری دین حق ٹرسٹ لاہور مطبع: آر آر پرنٹرز، سگیاں روڈ لاہور

مشمولات

عرض احوال

5 _____

زوالِ اُمتِ مسلمہ: اسباب، سبق اور نشاۃ ثانیہ کا راستہ رضاء الحق

درس قرآن

9 _____

سُورَةُ الْبَقَرَةِ^(۱۰) ڈاکٹر اسرار احمد

منبر و محراب

29 _____

مقدسات کی حرمت و تحفظ اور ریاست کی ذمہ داریاں شجاع الدین شیخ

تذکیر و موعظت

39 _____

هَٰذِهِمُ اللَّذَاتِ اعجاز لطیف

ظروف و احوال

49 _____

بدلتی عالمی صورتِ حال

اور پاکستان کے پیچیدہ داخلی مسائل

ایوب بیگ مرزا

نقوشِ سیرت

59 _____

رسولِ اکرم ﷺ اور ماحول کا تحفظ پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی

حاصلِ مطالعہ

73 _____

تصویرِ اقامتِ دین حافظ قاسم رضوان

حذراے چیرہ دستاں.....

85 _____

قومِ لوط کے مدفن پر ”پرائنڈ لینڈ“ رانا عرفان علی

عالمِ اسلام

91 _____

فلسطین کی حالتِ زار علیزہ مکنون

”ادارہ“ کا مضمون نگاروں کی تمام آراء سے کامل اتفاق ضروری نہیں!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

زوالِ اُمتِ مُسلمہ: اسباب، سبق اور نشاۃ ثانیہ کا راستہ

ایک زمانہ تھا جب بغداد، دمشق، قرطبہ، قاہرہ، بخارا اور سمرقند علم، تہذیب، عدل اور تمدن کے مراکز تھے۔ مسلمان صرف ایک عسکری قوت ہی نہیں تھے بلکہ علم، طب، فلکیات، ریاضی، فلسفہ، معیشت اور اخلاقی قیادت میں بھی دنیا کی رہنمائی کر رہے تھے۔ آج وہی اُمت سیاسی طور پر منتشر، معاشی اعتبار سے دوسروں کی محتاج، عسکری لحاظ سے کمزور، علمی میدان میں پیچھے اور فکری اعتبار سے مغلوب دکھائی دیتی ہے۔ خصوصاً فلسطین کی سرزمین گزشتہ کئی دہائیوں سے ظلم، جبر اور انسانی ایلیہ کی علامت بنی ہوئی ہے۔ اسی طرح کشمیر، برما، شام، یمن، سوڈان اور دیگر مسلم خطے بھی مختلف نوعیت کے بحرانوں سے گزر رہے ہیں۔ یہ تمام سانحات دراصل ایک بڑے مرض کی علامات ہیں۔ استعمار، صیہونیت اور عالمی استکباری و استحصالی قوتوں نے مسلم دنیا کو کمزور کرنے کے لیے طویل المدت منصوبہ بندی کے تحت کام کیا، لیکن بیرونی دشمن تب ہی کامیاب ہوتا ہے جب اندرونی دیواریں کمزور ہو چکی ہوں۔ اس لیے اُمتِ مُسلمہ کے موجودہ بحران کا جائزہ لیتے وقت اپنی داخلی کمزوریوں کا بے لاگ محاسبہ بھی ناگزیر ہے۔

اُمت کے احیاء کا راستہ تلاش کرنا ہو تو سب سے پہلے اس نمونے کی طرف رجوع کرنا ہوگا جس نے پہلی مرتبہ ایک منتشر معاشرے کو ایک مضبوط اُمت میں تبدیل کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں اپنی دعوت کا آغاز سیاسی اقتدار سے نہیں بلکہ انسانوں کے دل بدلنے سے کیا۔ تیرہ برس تک آپ ﷺ نے ایسے افراد کو ایک نظم کے تحت پرویا۔ یہی تربیت یافتہ جماعت جب مدینہ پہنچی تو اس نے تاریخ انسانی کا ایسا انقلاب برپا کیا جس کی مثال ملنا ممکن نہیں۔

بدقسمتی سے آج مسلمان قرآن مجید کو ثواب کی کتاب تو سمجھتے ہیں، مگر ہدایت کی کتاب کے طور پر اس سے اپنا تعلق کمزور کر چکے ہیں۔ ہماری اجتماعی زندگی بڑی حد تک قرآنی ہدایت سے

خالی دکھائی دیتی ہے۔ معیشت سود کے سہارے چل رہی ہے، سیاست مفاد اور طاقت کے گرد گھوم رہی ہے، عدالتیں انسانی خواہشات سے متاثر ہیں، تعلیم بڑی حد تک مغربی فکر کے سانچے میں ڈھل چکی ہے اور معیشت سرمایہ دارانہ اصولوں کی اسیر ہے۔ جب اجتماعی زندگی کے شعبے اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے دور ہو جائیں تو محض انفرادی عبادات کسی قوم کو دنیا کی قیادت واپس نہیں دلا سکتیں۔ اُمتِ مُسلمہ کے بحران کا مستقل حل صرف سیاسی تبدیلیوں یا معاشی منصوبوں میں نہیں، بلکہ اس فکری بنیاد کی تجدید (تجدد نہیں) میں پوشیدہ ہے جس پر پہلی مرتبہ اسلامی تہذیب استوار ہوئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ زوال کی علامات اس سے بہت پہلے نمایاں ہو چکی تھیں، لیکن بیسویں صدی کے آغاز میں پیش آنے والے چند واقعات نے اس زوال کو ایک اندوہناک مستقل سیاسی اور تہذیبی حقیقت میں تبدیل کر دیا۔ قرآن مجید نے اُمتِ مُسلمہ کی بنیاد ایمان کے رشتے پر قائم کی ہے۔ سورۃ الحجرات (آیت ۱۰) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اٰمَنَ الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةً﴾ ”بلاشبہ تمام اہل ایمان آپس میں بھائی ہیں۔“

یہ اخوت صرف ایک روحانی تصور نہیں تھی بلکہ ایک عملی اور سیاسی حقیقت بھی تھی، جس کا سب سے نمایاں مظہر ادارہ خلافت تھا۔ اس ادارے نے صدیوں تک عالم اسلام کی وحدت کو بڑی حد تک برقرار رکھا۔ مسلمان خواہ اندلس میں رہتا تھا یا ہندوستان میں، وسط ایشیا میں تھا یا شمالی افریقہ میں، وہ خود کو ایک ہی اُمت کا حصہ سمجھتا تھا۔

۱۹ویں صدی میں یورپی طاقتوں نے بخوبی سمجھ لیا تھا کہ جب تک مسلمانوں کی کوئی مرکزی وحدت باقی ہے، انہیں مکمل طور پر زیر نگین بنانا آسان نہیں ہوگا۔ چنانچہ عسکری حملوں کے ساتھ ساتھ فکری، سیاسی اور معاشی محاذوں پر بھی منظم منصوبہ بندی کی گئی۔ خلافت عثمانیہ کو ”یورپ کا مرد بیمار“ قرار دیا گیا، اُس کے داخلی اختلافات کو ہوا دی گئی، قوم پرستی کے رجحانات کو فروغ دیا گیا اور مختلف قومیتوں کو ایک دوسرے کے مقابل لاکھڑا کیا گیا۔ پہلی عالمی جنگ کے فوراً بعد خلافت عثمانیہ کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا گیا اور بالآخر ۱۹۲۴ء میں اس کا باقاعدہ خاتمہ کر دیا گیا۔ یہ مسلم دنیا کی اجتماعی وحدت پر ایسی کاری ضرب تھی جس کے اثرات آج بھی محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد مسلم دنیا درجنوں قومی ریاستوں (نیشن اسٹیٹس) میں تقسیم ہو گئی۔ مسلمانوں کو یہ باور کرایا گیا کہ اب اُن کی پہلی شناخت اسلام نہیں بلکہ اُن کی قومیت

ہے۔ یوں رفتہ رفتہ اُمت کا ہمہ گیر تصور قومی ریاست کے محدود تصور کے پس منظر میں چلا گیا۔ استعماری طاقتوں نے فکری اور تہذیبی میدان میں بھی اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ چنانچہ تعلیمی نظام تبدیل کیے گئے، قوانین مغربی طرز پر استوار کیے گئے، معیشت کو سودی نظام سے وابستہ کر دیا گیا اور نئی نسل کے ذہن میں یہ تصور راسخ کیا گیا کہ ترقی کا واحد راستہ مغربی تہذیب اور فکری تقلید ہے۔ نتیجتاً بیشتر مسلم ممالک سیاسی اعتبار سے تو ”آزاد“ ہو گئے، مگر ان کے آئین، عدالتی نظام، معاشی ڈھانچے، تعلیمی فلسفے اور خارجہ پالیسیاں بڑی حد تک مغربی فکر کے زیر اثر رہیں۔ یوں مسلم معاشرے اپنی تہذیبی شناخت کے بحران میں مبتلا ہوتے چلے گئے۔

مسلم دنیا کے آپس کے تنازعات کی بڑی وجہ قومی مفادات، سرحدی تنازعات، لسانی تعصبات اور علاقائی رقابتیں ہیں۔ ایک مسلمان ملک دوسرے مسلمان ملک کے مقابل صف آرا ہو جاتا ہے، اور اس تقسیم کا سب سے زیادہ فائدہ وہی قوتیں اٹھاتی ہیں جو ہمیشہ سے عالم اسلام کو منتشر دیکھنا چاہتی رہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جاہلیت کی عصبیت سے اسی لیے سختی سے منع فرمایا تھا۔ کوئی ایک مسئلہ اگر آج مسلم دنیا کی کمزوری، بے بسی اور انتشار کو پوری شدت کے ساتھ نمایاں کرتا ہے تو وہ فلسطین ہے۔ گزشتہ تقریباً آٹھ دہائیوں سے فلسطینی عوام مسلسل ظلم، محاصرے، بے دخلی اور قتل و غارت کا سامنا کر رہے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ صرف عسکری عدم توازن نہیں بلکہ اُمت کا سیاسی انتشار، مشترکہ وزن کا فقدان اور اجتماعی ذمہ داری کے احساس کی کمزوری بھی ہے۔ اگر اُمت اپنے اصل تصور پر قائم ہوتی تو یقیناً صورت حال مختلف ہو سکتی تھی۔ اُمت کی نشاۃ ثانیہ کا پہلا زینہ قرآن مجید سے اپنے تعلق کی حقیقی تجدید ہے، جس کا مطلب صرف خوش الحانی سے تلاوت کرنا نہیں بلکہ قرآن کو زندگی کا رہنما، فیصل اور امام تسلیم کرنا ہے۔

یہ حقیقت ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے کہ قرآن انسان اور معاشرے کی تعمیر کے لیے نازل ہوا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کا راز بھی یہی تھا کہ وہ قرآن کو صرف یاد نہیں کرتے تھے بلکہ اسے اپنی زندگی میں نافذ کرتے تھے۔ اسی عملی وابستگی نے ایک ایسی نسل تیار کی جس نے دنیا کی تاریخ کا رخ بدل دیا۔ یہی فکری اور عملی تربیت آگے چل کر ایسے معاشرے کی بنیاد بنی جس میں عدل، دیانت، مساوات اور اللہ کی حاکمیت کو اجتماعی زندگی میں نافذ کیا گیا۔ اس حقیقت کو سمجھے بغیر نہ خلافت کے تصور کو صحیح طور پر سمجھا جاسکتا ہے اور نہ اُمت کے احیاء کا راستہ

متعین کیا جاسکتا ہے۔ خلافت اسلام کا مقصود بالذات نہیں بلکہ اقامت دین کا مؤثر اجتماعی ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کو انفرادی زندگی کے ساتھ اجتماعی سطح پر نافذ کرنا اسلام کا تقاضا ہے، اور اس کے لیے ایسا سیاسی نظم ناگزیر ہے جو حاکمیت الہی کو تسلیم کرے اور شریعت اسلامی کو اپنی قانون سازی اور حکمرانی کی بنیاد بنائے۔ اس اعتبار سے خلافت طاقت، توسیع اقتدار یا جغرافیائی غلبے کا نام نہیں بلکہ عدل، امانت، جواب دہی اور بندگی رب کا نظام ہے۔ اسی تصور کی بہترین مثال خلافت راشدہ میں نظر آتی ہے۔ یہاں حکمران خود کو عوام کا آقا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ایک امانت دار سمجھتا ہے، جبکہ اُمت کو بھی خیر خواہی، احتساب اور اصلاح کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے۔

اُمت کے زوال کا تمام تر بوجھ عموماً حکمرانوں پر ڈال دیا جاتا ہے۔ اگرچہ صالح اور دیانت دار قیادت کسی بھی معاشرے کے لیے ناگزیر ہے، لیکن قرآن مجید صرف حکمرانوں کو مخاطب نہیں کرتا بلکہ پوری اُمتِ مسلمہ کو اس کی ذمہ داری یاد دلاتا ہے۔ ہر معاشرہ اپنی اجتماعی کیفیت کے مطابق قیادت پیدا کرتا ہے۔ جب عوام میں علم، دیانت، احساسِ ذمہ داری اور دینی شعور کمزور پڑ جائے تو صالح قیادت بھی نایاب ہو جاتی ہے۔

اسی تناظر میں آج اُمتِ مسلمہ کو جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، وہ ہمہ گیر فکری بیداری ہے۔ ایسی بیداری جو مسلمان کو اُس کی اصل شناخت یاد دلائے، قرآن مجید کو اُس کی زندگی کا رہنما بنائے، رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو اجتماعی زندگی کا نمونہ قرار دے اور اُمتِ واحدہ کے تصور کو دوبارہ زندہ کرے۔ جب فکر بدلتی ہے تو افراد بدلتے ہیں، افراد بدلتے ہیں تو معاشرے بدلتے ہیں، اور جب معاشرے بدلتے ہیں تو تاریخ کا دھارا بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ تاہم اس کے لیے مسلسل، منظم اور صبر آزماء جدوجہد درکار ہوتی ہے۔ اگر اُمتِ مسلمہ اپنی نشاۃ ثانیہ کی خواہاں ہے تو اُسے چند بنیادی ترجیحات پر سنجیدگی سے توجہ دینا ہوگی۔

سب سے پہلے ”رجوع الی القرآن“ کو انفرادی وظیفے کے بجائے ایک اجتماعی تحریک بنانا ہوگا۔ قرآن کو سمجھنا، اُس پر تدبر کرنا، اُس کی دعوت کو عام کرنا، زندگی کے ہر شعبے میں اُسے رہنما تسلیم کرنا اور اُس کے عطا کردہ نظام کو قائم و نافذ کرنا اُمت کی اولین ترجیح ہونی چاہیے۔ دوسرے، تعلیم و تربیت کے موجودہ نظام کا از سر نو جائزہ لینا ہوگا۔ (باقی صفحہ 98 پر)

”إِذَا“ کا محل استعمال

”إِذَا“ (جب) کا کلمہ یہاں مصحف میں پہلی مرتبہ آ رہا ہے۔ ”جب“ کا مفہوم ادا کرنے کے لیے عربی میں ”إِذَا“ اور ”إِذَا“ دو کلمات استعمال ہوتے ہیں۔ اگر ماضی سے متعلق کسی واقعہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو تو کلمہ ”إِذَا“ آتا ہے اور مستقبل کے کسی معاملہ کی طرف اشارہ کرنا ہو تو ”إِذَا“ استعمال کیا جاتا ہے۔ سورۃ التکویر میں یہ کلمہ (إِذَا) ۱۲ مرتبہ آیا ہے:

﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ① وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ②﴾

”جب سورج لپیٹ لیا جائے گا۔ اور جب ستارے ماند پڑ جائیں گے۔“

قیامت کے واقعات جو رونما ہونے والے ہیں ان کے لیے ”إِذَا“ آتا ہے۔ کسی گزرے ہوئے واقعہ کی طرف توجہ دلانی ہو تو اس کے لیے ”إِذَا“ استعمال ہوتا ہے اور اس سے پہلے فعل امر ماضی ”أَذْكُرْ“ یا ”أَذْكُرُوا“ محذوف (understood) مانا جاتا ہے۔ یعنی یاد کرو، دھیان کرو، توجہ کرو، تصور کرو۔

قرآن میں قصہ آدم و ابلیس کی تکرار

﴿وَإِذَا قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ ”اور یاد کرو جب کہ کہا تھا آپ کے رب نے فرشتوں سے“..... ظاہر ہے ان کلمات کے اولین مخاطب رسول اللہ ﷺ ہیں جن پر یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں۔ باقی یہ کہ قرآن کا ہر قاری (پڑھنے والا) بھی اس کا مخاطب ہے۔

سورۃ البقرۃ کا یہ چوتھا رکوع فلسفہ و حکمت قرآنی کا ایک بہت اہم باب ہے۔ اس کا اکثر و بیشتر حصہ حضرت آدمؑ اور ابلیس کی سرگزشت پر مشتمل ہے۔ ترتیب مصحف میں تو یہ واقعہ پہلی مرتبہ آ رہا ہے، لیکن ترتیب نزولی کے اعتبار سے مکی قرآن میں یہ واقعہ اس سے پہلے چھ مرتبہ بیان ہو چکا ہے، اور اُس کی ایک بڑی عجیب اور دلچسپ ترتیب ہے۔ قرآن مجید کے وسط میں سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف دونوں گویا آپس میں ملی ہوئی ہیں۔

سُورَةُ الْبَقَرَةِ (۱۰)

مدرس: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

آیات ۳۰ تا ۳۴

وَإِذَا قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالُوا إِنَّا نَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۚ ③ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ إِنْ كُنْتُمْ صٰٓدِقِينَ ۚ ④ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۚ ⑤ قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَآئِهِمْ ۖ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَآئِهِمْ ۖ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ۚ ⑥ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ ۖ وَكَانَ مِنَ الْكَٰفِرِينَ ۚ ⑦

آیت ۳۰ ﴿وَإِذَا قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالُوا إِنَّا نَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۚ﴾ ”اور یاد کرو جب کہ کہا تھا تمہارے رب نے فرشتوں سے کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ۔ انہوں نے کہا: کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں جو اس میں فساد مچائے گا اور خون ریزی کرے گا؟ اور ہم آپ کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کی تقدیس میں لگے ہوئے ہیں۔ فرمایا: میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے۔“

قصہ آدم و ابلیس کا سورہ بنی اسرائیل میں بھی تذکرہ ہے اور سورہ الکہف میں بھی اور عجیب بات یہ ہے کہ دونوں کے بالکل وسط میں ہے۔ دونوں سورتیں بارہ بارہ رکوعوں پر مشتمل ہیں اور دونوں کا ساتواں رکوع ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے:

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ط﴾

”اور یاد کرو جب ہم نے کہا تھا فرشتوں سے کہ سجدہ کرو آدمؑ کو تو اُن سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے (نہیں کیا)۔“

سورہ بنی اسرائیل سے پہلے ایک سورت (سورہ النحل) چھوڑ دیجیے تو سورہ الحجر آتی ہے۔ اس میں بڑی تفصیل کے ساتھ یہ قصہ آیا ہے۔ سورہ الکہف سے آگے ایک سورت (سورہ مریم) چھوڑ دیجیے تو اُس کے بعد سورہ طہ ہے اور اُس میں بھی یہ واقعہ بڑی تفصیل سے موجود ہے۔ اس طرح چار مرتبہ یہ قصہ آدمؑ و ابلیس قرآن کے تقریباً وسط میں ہے۔ اس کے علاوہ دو مقامات کی بھی بڑی symmetrical distribution ہے۔ شروع سے چلیں تو آٹھواں پارے میں سورہ الاعراف کے دوسرے رکوع میں یہ واقعہ بڑے شرح و بسط کے ساتھ ملتا ہے۔ تیسویں پارے سے گنتی کرتے ہوئے واپس آئیں تو ۲۳ واں پارہ گنتی میں آٹھواں پارہ بنے گا۔ یہاں سورہ ص میں پھر وضاحت کے ساتھ یہ واقعہ بیان ہوا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں قصہ آدمؑ و ابلیس کی بڑی ہی موزوں اور متناسب (symmetrical) تقسیم ہے۔ تاہم یہ چھ کے چھ مقامات جو گنوائے گئے ہیں یہ بالاتفاق کی سورتیں ہیں۔ سورہ البقرہ واحد مدنی سورت ہے جس میں واقعہ آدمؑ و ابلیس کا خلاصہ دیا جا رہا ہے۔

زیر درس آیات کے پانچ عنوانات

زیر مطالعہ رکوع میں پانچ مضامین بیان ہوئے ہیں:

(۱) آدمؑ اور ذریتِ آدمؑ کا مقام و مرتبہ

(۲) خلافتِ ارضی کی بنیاد و اساس

(۳) تمام فرشتوں کو آدمؑ کے سامنے سجدہ کا حکم

(۴) آدمؑ و حوا کا جنت میں آزمائشی مقام

(۵) جنت سے انخلاء اور ہبوطِ ارضی

سب سے پہلے حضرت آدمؑ اور ان کی ذریت کا اصل مقام و مرتبہ بیان کیا گیا ہے۔ یعنی اُن کا مقام خلیفۃ اللہ فی الارض ہے جو بہت بلند درجہ ہے۔ پھر یہ کہ اس خلافت کی بنیاد و اساس کیا ہے؟ یعنی حضرت آدمؑ اور اُن کی ذریت کو خلافت کے اہل سمجھا گیا ہے تو کس بنیاد پر؟ وہ بنیاد و اساس علم ہے ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾۔ یہ دو مضامین اس مقام پر خصوصی (exclusive) طور پر آئے ہیں۔ یہ فلسفہ اور حکمت کے اہم اور اساسی مضامین ہیں۔ باقی چھ مقامات جو گنوائے گئے ہیں اُن میں یہ مضامین نہیں ملیں گے۔ البتہ ان میں سے تین مقامات پر ایک اضافی مضمون ملے گا جو یہاں نہیں ہے۔ اس طرح قرآن مجید میں یہ واقعہ اگر تکرار کے ساتھ آیا ہے تو یہ تکرار محض نہیں ہے بلکہ ہر جگہ کوئی نئی بات ہے کوئی نئی شان ہے۔ پھر جس جس مقام پر یہ مضمون آیا ہے اس کے عمود اور مرکزی مضمون کے حوالے سے خصوصی ربط کو اس سیاق و سباق (context) میں رکھ کر دیکھیں تو حکمت اور دانش کے نئے نئے گوشے نمودار ہوں گے۔

پھر جو مضمون آتا ہے تمام فرشتوں کو حضرت آدمؑ کے سامنے سجدہ کا حکم یہ چھ کئی مقامات کے بعد ساتواں مدنی مقام ہے جو زیر مطالعہ ہے۔ اس کے بعد حضرت آدمؑ اور اماں حوا کے جنت میں آزمائشی مقام یا ایک طرح کی تربیت کے لیے قیام کا تذکرہ ہے۔ یہ اہتمام اس لیے کیا گیا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ اُن کی تخلیق میں بھی کچھ خلا ہے کمزوری ہے ﴿خُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا﴾ (النساء)۔ اس خلا اور کمزوری سے ان کا ازلی دشمن ابلیس بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا، انہیں اس کا ایک تجربہ کر دیا گیا۔ اس کا بھی ذکر سورہ طہ اور سورہ الاعراف میں شرح و بسط کے ساتھ موجود ہے۔ یہاں سورہ البقرہ میں بھی اسی تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ یہ مضامین سب سے زیادہ تفصیل اور نہایت اہتمام اور شان کے ساتھ سورہ الاعراف میں آئے ہیں جو متذکرہ بالا چھ کئی سورتوں میں ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے آخری دور کی ہے۔ چنانچہ زمانہ نزول کے اعتبار ماہنامہ میثاق (11) اگست 2026ء

سے سورۃ البقرہ اور سورۃ الاعراف میں زیادہ فرق نہیں۔ پھر یہ کہ ابلیس نے کس طریقے سے حضرت آدمؑ کو دھوکا دیا، پھسلا یا، اغوا کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت آدمؑ کو ہبوط ارضی کا حکم۔ گویا آخری چارٹر یہ دیا گیا کہ جا کر زمین پر چارج سنبھالو۔ جیسے کبھی برطانوی حکومت کسی وائسرائے کو ہندوستان بھیجتی تھی تو پہلے اس کی بریفنگ کے لیے تعلیم و تربیت اور یہاں کے حالات سے واقفیت کا کوئی اہتمام ہوتا ہوگا۔ پھر وہ ایک چارٹر لے کر یہاں آتا ہوگا کہ اُس کے حقوق کیا ہیں اور اُس کے اختیارات کیا ہیں! کون کون سے معاملات اُسے مرکزی حکومت یعنی تاجِ برطانیہ کو لازماً ریفر کرنے ہوں گے اور کن کن معاملات میں اسے اتھارٹی حاصل ہے اور وہ اپنی صوابدید کے مطابق فیصلے کر سکتا ہے۔ امید ہے کہ زیر مطالعہ پانچ آیات کے درس میں ان میں سے پہلے تین مضامین مکمل ہو جائیں گے ان شاء اللہ!

اس رکوع کی دس آیات برابر برابر دو حصوں میں منقسم ہیں۔ اس ضمن میں کچھ تمہیدی باتیں عرض کر رہا ہوں۔

مکلف مخلوقات میں اولین: ملائکہ

اس رکوع میں تینوں مکلف مخلوقات کا ذکر ہو رہا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کا سلسلہ انتہائی وسیع ہے۔ اُن گنت سیاروں اور ستاروں پر مشتمل گلیکسیز ہیں، جمادات ہیں، نباتات ہیں۔ پھر زمین پر بہت سی انواع کے حیوانات ہیں، جو مکلف نہیں ہیں۔ مکلف سے مراد ہے جو responsible ہیں، جن پر کوئی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ جو شعور و ذات اور اپنے وجود کا شعور بھی رکھتے ہیں۔ پھر یہ کہ وہ ادا مروا، ہی کے مخاطب اور پابند بنائے گئے ہوں اور ان کا محاسبہ ہو۔ ایسی تین مخلوقات ہیں: ملائکہ، جنات اور انسان۔ ان تینوں کے مراتب کو پہچانیے۔ ان میں بلند ترین مخلوق ملائکہ ہیں، اور یہاں سب سے پہلے انہی کا تذکرہ ہو رہا ہے: ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾۔ اس لفظ کو بھی سمجھ لیجیے۔ اَلْکَ یَلْکُ (ض) اَلْکَا و اَلْوُکَّة کے معنی ہیں: پیغام پہنچانا۔ اَلْکَنِ اِلَیْہ: اُس نے مجھے فلاں شخص کی طرف پیغامبر یا اپیلچی بنا کر بھیجا۔ اسی سے یہ لفظ ملائک اور ملائکہ ماہنامہ میثاق (13) اگست 2026ء

(فرشتے) بنا ہے، جس کا واحد ملک استعمال ہوتا ہے۔ اصل میں یہ لفظ مَلَئِک ہے، لیکن کثرت استعمال سے مَلَک بن گیا ہے۔ درمیان میں سے ہمزہ کو حذف کر دیا گیا، اور ہمزہ پر جو زبر تھی وہ لام کو دے دی گئی۔ یعنی اس کا مادہ ”مَلَک“ نہیں بلکہ ”اَلْک“ ہے۔ چنانچہ مَلَک وہ ہے جو کسی کی پیغام رسانی کا ذریعہ بنے، جو اپیلچی کی صورت اختیار کرے۔ مَلَئِکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے احکامات کو انسانوں اور تمام مخلوقات تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔ مَلَئِک کا جو ہمزہ حذف ہو گیا تھا وہ اس کی جمع میں ظاہر ہو گیا تو یہ لفظ مَلَئِک بنا۔ مَلَئِک کا ”ة“، تانیث کا نہیں بلکہ نکثیر کا ہے، یعنی مزید کثرت کے لیے آیا ہے۔

ملائکہ کے بارے میں چند باتیں ذہن نشین کر لینی چاہئیں۔ اگرچہ قرآن مجید میں ان کا مادہ تخلیق بیان نہیں کیا گیا، لیکن حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ، وَ خُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ، وَ خُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ)) [صحیح مسلم]

”فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے، جنوں کو آگ کے شعلے سے اور آدمؑ کو اس (مادے) سے پیدا کیا گیا ہے جس کو تمہارے لیے بیان کیا گیا ہے۔“

ملائکہ اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ ہستیاں ہیں، لطیف ترین نورانی وجود کی حامل ہیں، لیکن صاحبِ تشخص ہستی ہیں۔ ایک دور میں یہ بھی کہا گیا کہ یہ فورسز آف دی نیچر کا نام ہے، ان کا کوئی تشخص نہیں ہے، کوئی personalised existance نہیں ہے۔ درحقیقت یہ صاحبِ تشخص ہیں لیکن بہت لطیف وجود رکھتے ہیں۔ لطیف شے مختلف شکلیں اختیار کر سکتی ہے لہذا فرشتے بھی مختلف صورتوں میں ظاہر ہو سکتے ہیں، جیسا کہ ثابت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام بعض اوقات انسانی شکل میں آتے تھے۔ ”حدیث جبریل“ مشہور ترین حدیث ہے جس کو ”اُم السنہ“ کہا گیا ہے، اس میں حضرت جبرائیل کی انسانی شکل میں آمد ثابت ہے۔

مشرک نہ مذاہب میں بھی فرشتوں کا کوئی نہ کوئی تصور موجود ہے، کیونکہ وہ بھی درحقیقت توحید ہی کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔ اس لیے کہ نسلِ انسانی کا آغاز شرک سے ماہنامہ میثاق (14) اگست 2026ء

نہیں بلکہ توحید سے، اور گمراہی سے نہیں بلکہ ہدایت سے ہوا ہے۔ اس رکوع کے آخر میں الفاظ آئے ہیں: ﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى.....﴾ ”تو جب بھی آئے تمہارے پاس میری جانب سے کوئی ہدایت.....“ حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان تھے اور وہ موحد کامل، اللہ کے نبی تھے۔ مغربی فلسفہ میں جس انداز سے نسل انسانی کے تمدن و ارتقاء کے مراحل بیان کیے جاتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ آغاز میں نری جہالت ہی جہالت تھی، وحشت ہی وحشت تھی۔ مادی اعتبار سے یہ تصور اپنی جگہ کسی حد تک صحیح ہو سکتا ہے، لیکن جہاں تک اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کا تعلق اور اُس کی توحید کا معاملہ ہے، یہ تو اوّل روز سے کامل تھا۔ بعد میں اس میں تنزل ہوا ہے کہ انسان مظاہر پرستی اور عناصر پرستی کی طرف مائل ہو گیا۔ چنانچہ انسان علم سے جہالت کی طرف گیا ہے، جہالت سے علم کی طرف نہیں آیا۔ مادی علوم اور scientific knowledge کے اعتبار سے تو کہا جاسکتا ہے کہ انسان جہالت سے علم کی طرف آ رہا ہے، لیکن اصلاً ہدایت کے اعتبار سے تو وہ صحیح علم سے تنزل کر کے شرک کی طرف گیا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ انسان نے مظاہر فطرت کو پوجنا شروع کر دیا۔

مزید برآں ملائکہ کے بارے میں یہ گمراہی پیدا ہوئی کہ انہیں صاحب اختیار ہستیاں سمجھ لیا گیا، لہذا ان کی بھی پوجا پاٹ شروع ہو گئی۔ عربوں کے ہاں تصور تھا کہ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں، جس کی تردید بایں الفاظ کی گئی: ﴿أَفَأَصْفُكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا﴾ (بنی اسرائیل: ۳۰) ”تو کیا تمہیں تو منتخب کر لیا ہے تمہارے رب نے بیٹوں کے ساتھ اور اپنے لیے بنالی ہیں فرشتوں میں سے بیٹیاں؟“ ان کا خیال تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کریں گے تو بیڑا پار ہو جائے گا۔ ان کے ذریعے سے ہم اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کر سکتے ہیں۔ جب کہ قرآن مجید کے مختلف مقامات اور احادیث نبویہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فرشتے بہت برگزیدہ ہستیاں ہیں، نوری الاصل ہونے کی بنا پر انہیں اللہ کا بہت قرب حاصل ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست تعلق کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والے ترشحات کو قبول کرنے اور جذب کرنے کی ان میں صلاحیت رکھی گئی ہے۔ احکاماتِ خداوندی انہیں براہ راست پہنچتے ہیں اور یہ آگے پہنچاتے

ہیں۔ البتہ صاحب اختیار اور صاحب ارادہ نہیں ہیں۔ مزید یہ کہ ان کا معصیت اور گناہ کی طرف کسی رجحان کا کوئی امکان نہیں: ﴿وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ (التحریم) ”وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ملتا ہے۔“

ملائکہ میں معصیت کا امکان نہیں

اہل سنت کا تو اس پر اجماع ہے کہ فرشتوں میں معصیت کا امکان ہی نہیں، نافرمانی کی قدرت ہی نہیں۔ گویا ان سے صرف نیکی اور خیر ہی ممکن ہے، دوسرا راستہ ان کے لیے کھلا ہی نہیں۔ جب کہ معتزلہ کی رائے یہ ہے اور ہمارے ہاں عقلی رجحانات رکھنے والے طبقہ کا اس سے اتفاق ہے، کہ ایسا نہیں ہے کہ ان میں معصیت کا امکان ہی نہیں، یا وہ معصیت کی قدرت ہی نہیں رکھتے۔ ان کے نزدیک فرشتے بھی صاحب ارادہ مخلوق ہیں، لیکن اس کائنات کے حقائق ان پر اس درجہ روشن ہیں کہ ان کے لیے عملاً معصیت ممکن نہیں۔ جیسا کہ انسان کے سامنے بھی اگر جنت اور دوزخ موجود ہوں، اور یہ حقائق جو ہم سے پردے میں ہیں یا جن سے ہم محجوب ہیں، یہ غیب کا پردہ درمیان میں نہ ہو تو کون اللہ کا حکم ماننے سے انکار کرے گا؟ کون معصیت کرے گا؟ چونکہ انہیں وہ قرب حاصل ہے اور حقائق ان کے سامنے موجود ہیں، لہذا وہ نافرمانی نہیں کرتے۔

یہ بالکل اسی کے ہم وزن بات ہو جائے گی کہ ہم اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر عدل واجب نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ عدل کرے گا، یہ علیحدہ بات ہے، لیکن اللہ تعالیٰ پر عدل واجب ماننا گویا اللہ تعالیٰ کے اختیار کو محدود سمجھنا ہے، جو اہل سنت تسلیم نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کسی نیک آدمی کو سزا دینا چاہے یا کسی بدترین بدکار کو معاف کرنا چاہے تو یہ اُس کا اختیارِ مطلق ہے۔ اس اعتبار سے اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر عدل واجب نہیں، جبکہ معتزلہ اور اہل تشیع کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر عدل واجب ہے۔ بالکل یہی فرق یہاں ہے کہ معتزلہ کا موقف یہ ہے کہ فرشتے معصیت کر سکتے ہیں لیکن کرتے نہیں۔ دوسری طرف اہل سنت کا موقف یہی ہے کہ ان کے اندر معصیت کی قدرت ہی نہیں ہے۔ وہ خیرِ محض ہیں، ان میں وہ مادہ ہی سرے سے موجود نہیں ہے کہ جس کی بنا پر معصیت کا

صدور ہو جائے۔ البتہ اس پر اتفاق ہے کہ انہیں کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ از روئے الفاظ قرآنی: ﴿وَمَا نَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ﴾ (مریم: ۶۴) ”(اے نبی ﷺ!) ہم نازل نہیں ہو سکتے مگر آپ کے رب کے حکم سے۔“ اُس کی اجازت اُس کا حکم ہوگا تو نازل ہوں گے۔ ﴿لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ (التحریم) ”وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے کسی بھی حکم میں جو انہیں دیا جاتا ہے بلکہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔“

ملائکہ میں حفظ مراتب

ان میں درجات ہیں، حفظ مراتب ہیں۔ سید الملائکہ روح الامین اور روح القدس حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ آپ انبیاء و رسل علیہم السلام تک اللہ تعالیٰ کے پیغام اور وحی پہنچاتے رہے ہیں۔ حضرت میکائیل علیہ السلام بارش برسانے اور رزق کی تقسیم پر مامور ہیں۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام قیامت کے روز صور پھونکیں گے۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام انسانوں کی روح قبض کرنے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ کراماً کا تبین ہر انسان کے دائیں اور بائیں کاندھے پر اُس کے اچھے اور برے اعمال کا ریکارڈ رکھنے کی ذمہ داری ادا کرتے ہیں۔ منکر اور نکیر موت کے بعد قبر میں انسان سے سوالات کرتے ہیں۔ کچھ فرشتے حلیں عرش الہی ہیں۔ باقی آسمان کے مختلف طبقات (جن کی حقیقت کو ابھی تک ہم نہیں سمجھتے) اور زمین میں اپنی اپنی ڈیوٹی ادا کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَالْمَلَائِكَةُ بِالنَّهَارِ، وَ يَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَ صَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَغْرُبُ اللَّيْلُ بَاتُوا فِيكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ، كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي؟ فَيَقُولُونَ: تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ، وَ أَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ)) [صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، ح: ۵۵۵]

”رات اور دن میں فرشتوں کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں اور فجر اور عصر کی نمازوں میں (ڈیوٹی پر آنے والوں اور رخصت پانے والوں کا) اجتماع ہوتا ہے۔ پھر

تمہارے پاس رہنے والے فرشتے جب اوپر چڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ ان سے بہت زیادہ اپنے بندوں کے متعلق جانتا ہے کہ میرے بندوں کو تم نے کس حال میں چھوڑا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نے جب انہیں چھوڑا تو وہ (فجر کی) نماز پڑھ رہے تھے اور جب ان کے پاس گئے تب بھی وہ (عصر کی) نماز پڑھ رہے تھے۔“

چنانچہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی تکوینی حکومت کے احکامات کی تنفیذ کرنے والے ہیں۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ کی سول سروس کے کارندے ہیں۔

ابلیس جنات میں سے تھا

دوسرا اس میں ابلیس کا ذکر آ رہا ہے۔ سورۃ الکہف میں جہاں یہ مضمون آیا ہے وہاں ابلیس کے بارے میں یہ وضاحت کردی گئی ہے: ﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ﴾ (آیت ۵۰) ”وہ جنات میں سے تھا پس اُس نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی۔“ وہ اللہ کی اطاعت و فرماں برداری سے نکل بھاگا۔ جنات کا مادہ تخلیق نار (آگ) ہے۔ یہ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ آیا ہے بلکہ بار بار تقابل آیا ہے۔ سورۃ الرحمن میں فرمایا:

﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝﴾ (۱۵)

”اُس نے پیدا کیا انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھکھاتی ہوئی مٹی سے۔ اور جنات کو اُس نے پیدا کیا آگ کی لپٹ سے۔“

انسانوں کی تخلیق قشر ارض (crust of the earth) یعنی مٹی سے ہوئی ہے۔ حیوانات ارضی میں انسان سب سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ جہاں تک جنات کا تعلق ہے تو وہ آگ کی لپٹ سے پیدا کیے گئے ہیں۔ شعلے کا ایک حصہ تو وہ ہے جو نظر آتا ہے اور ایک وہ ہے جو نظر نہیں آتا، اور وہاں حرارت کی شدت زیادہ ہوتی ہے۔ یہ آگ کی لو پر مشتمل ہوتا ہے۔ تو ان کی پیدائش آگ کی لو سے ہوئی ہے۔ جنات میں اچھے بھی ہیں اور برے بھی۔

قرآن حکیم میں خود جنّات کا قول نقل ہوا ہے: ﴿وَأَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُونَ وَمِمَّا دُونَ ذٰلِكَ ط﴾ (الحج: ۱۱) ”اور یہ کہ ہم میں نیک لوگ بھی ہیں اور کچھ اس سے مختلف قسم کے بھی ہیں۔“ مادہ تخلیق کے اعتبار سے یہ انسانوں سے برتر اور ملائکہ سے کم تر ہیں، لیکن انہیں ملائکہ کے ساتھ اس اعتبار سے ایک قرب حاصل ہے کہ نار اور نور میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ لفظی اعتبار سے بھی ان کا مادہ اور حروف اصلی ایک ہی ہیں۔ ”نار“ اور ”نور“ کے درمیان میں ”ا“ اور ”و“ حروف علت ہیں جو ایک دوسرے کی جگہ پر آ جاتے ہیں اور بدل جاتے ہیں۔ چنانچہ نار اور نور میں زیادہ فصل نہیں ہے۔ ان کا وجود چونکہ غیر مرئی (invisible) ہے اس لیے ان کو ”جنّ“ کہا گیا ہے۔ ”جنّ“ مادہ میں چھپنے اور چھپانے کا مفہوم ہے۔ باغ کو ”جنت“ اس لیے کہتے ہیں کہ اُس کے اوپر ہریا دل کی وجہ سے زمین چھپ جاتی ہے، نظر نہیں آتی۔

چونکہ ان کا مادہ تخلیق لطیف ہے لہذا یہ مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں۔ انسانی صورت میں بھی آ سکتے ہیں، حیوانات کی شکلیں بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص طور پر یہ سانپوں کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے:

((إِنَّ بِالْمَدِينَةِ نَفَرًا مِّنَ الْحَيِّ قَدْ أَسْلَمُوا، فَمَنْ رَأَى شَيْئًا مِّنْ هَذِهِ الْعَوَامِرِ فَلْيُؤْذِنْهُ ثَلَاثًا، فَإِنْ بَدَأَ لَهُ بَعْدُ فَلْيَقْتُلْهُ فَإِنَّهُ شَيْطَانٌ))

[صحیح مسلم، کتاب السلام، ح: ۵۸۴۱]

”مدینہ میں جنّوں کی کچھ نفری رہتی ہے جو مسلمان ہو گئے ہیں۔ پس جو شخص ان (پرانے) رہائشیوں میں سے کسی کو دیکھے تو تین بار اُسے خبردار کرے۔ اس کے بعد اگر وہ اس کے سامنے نمودار ہو تو اسے قتل کر دے، کیونکہ وہ شیطان (ایمان نہ لانے والا جنّ) ہے۔“

قرآن مجید میں ۶ مقامات پر اس طور سے ذکر آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں۔ چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے (انکار کیا)۔ قرآن ماہنامہ میثاق (19) اگست 2026ء

حکیم کے الفاظ ﴿فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ﴾ سے بعض لوگوں کو کچھ اشتباہ ہو جاتا ہے کہ شاید ابلیس بھی فرشتوں میں سے تھا۔ چنانچہ بعض لوگ اس رائے کے حامل ہو بھی گئے ہیں، لیکن قرآن مجید میں تکرار (repetition) یونہی بلا سبب نہیں آتی۔ سورۃ الکہف میں اس کی وضاحت کر دی گئی کہ وہ جنّات میں سے تھا۔ کوئی بھی فرشتہ اللہ کے کسی بھی حکم سے سرتابی نہیں کرتا۔ جنّات میں سے ابلیس اتنا عابد، زاہد اور عالم تھا کہ اسے ملائکہ سے ایک قرب حاصل تھا اور یہ گویا ایک اعتبار سے ملائکہ ہی کے زمرے میں شامل ہو گیا تھا۔

واضح رہے کہ ملائکہ میں کوئی تذکیر و تانیث نہیں ہے، کوئی سلسلہ توالد و تناسل نہیں ہے، جبکہ جنّات میں مذکر اور مؤنث یعنی نر اور مادہ ہیں۔ ان میں توالد و تناسل بھی ہے۔ ان پہلوؤں کے اعتبار سے یہ انسانوں سے قریب تر اور مشابہ ہیں۔ انسانوں کی طرح ان میں نیک بھی ہیں بد بھی ہیں، اچھے بھی ہیں برے بھی ہیں۔

قرآن مجید میں شیطان کو جو ”ابلیس“ کا نام دیا گیا ہے تو یہ بھی اس کا صفاتی نام ہے۔ اس کا اصل نام بعض احادیث کی رو سے ”عزّازیل“ آیا ہے۔ یہ ایک جنّ تھا اور جنّات کی عمریں انسانوں کے مقابلے میں بہت طویل ہوتی ہیں۔ حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار پر جب یہ راندہ درگاہ ہوا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ مجھے قیامت تک کے لیے مہلت عطا فرما ﴿أَنْظُرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ (الاعراف) کہ آدم کے بارے میں میرا جو گمان تھا اُسے سچا ثابت کر سکوں۔ اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ مہلت عطا کر دی گئی۔ چنانچہ وہ جو اصل جنّ ہے ابلیس، وہ زندہ ہے اور تا قیامت زندہ رہے گا۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے زندگی کی یہ طوالت خصوصی گرانٹ کی ہے۔ تاہم مولانا اصلاحی صاحب کو اس ضمن میں کچھ مغالطہ ہوا ہے اور ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ وہی ابلیس ابھی تک زندہ ہو۔ ہمارے تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ وہ جو خاص شخصیت ہے ابلیس یا عزّازیل، وہ مستقل ہے، البتہ اُس کی ذرّیت اور دیگر جنّات کی ذرّیات پر موت بھی واقع ہوتی ہے۔ ”شیطان“ کا لفظ جب آئے گا تو وہ عام ہوگا۔ شیاطین تو جنّ و انس دونوں میں ہیں۔ جنّات کی طرح انسانوں میں سے بھی جو نافرمان ہیں، جن میں سرکشی و ماہنامہ میثاق (20) اگست 2026ء

تمرّد ہے اور وہ شر کے داعی بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں، لوگوں کو غلط بات کی طرف دعوت دیتے ہیں وہ بھی سب شیاطین ہیں۔

آدم کی تخلیق

اب تیسرے درجے میں ہم بات کرتے ہیں انسان یا آدم کی۔ اس ضمن میں قابل غور بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی انسان کی تخلیق کا تذکرہ آیا ہے تو اکثر و بیشتر جگہوں پر آدم کا ذکر نہیں ہے بلکہ بشر یا انسان کے الفاظ آئے ہیں۔ اس اعتبار سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یوں عرض کروں گا۔ سورۃ الحجّر کی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانی اعتبار سے انسان کی تخلیق مؤخر ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ ٢٦ وَالْجَنَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ الشَّجَرِ ٢٧﴾ (الحجر)

”اور یقیناً ہم نے بنایا ہے انسان کو سنے ہوئے گارے کی کھلکھاتی ہوئی مٹی سے۔“

اور جنّات کو ہم نے پیدا کیا تھا اس سے پہلے آگ کی لپٹ سے۔“

معلوم ہوا کہ زمانی معاملہ یہ ہے کہ تین مکلف مخلوقات میں سے اولین مخلوق ملائکہ تھے جو نور سے پیدا کیے گئے۔ پھر جنّات کو نار سے پیدا کیا گیا، اور اس کے بعد سب سے مؤخر مخلوق انسان ہے۔ انسان کا مادّہ تخلیق ”قشر ارض“ ہے یعنی زمین کی اوپر کی پپڑی یا clay جسے مٹی کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کے لیے مختلف جگہوں پر پانچ چھ مختلف تعبیرات استعمال کی گئی ہیں۔ کہیں لفظ ”تُرَاب“ آیا ہے جو ریت کو نہیں بلکہ مٹی کو کہتے ہیں۔ ریت علیحدہ شے ہے جو ریگستانوں میں ہوتی ہے جبکہ مٹی زرخیز جگہ پر ہوتی ہے۔ کہیں اسے ”طِین“ کہا گیا ہے جو گارے کو کہتے ہیں۔ جب مٹی کو پانی سے گوندھ لیں تو وہ گارا بنتا ہے۔ کہیں اسے ”طِینٍ لَّازِبٍ“ کہا ہے۔ اگر وہ گارا کہیں کچھ عرصہ پڑا رہے اور اس میں نامیاتی مواد (organic matter) بھی ڈال دیا جائے تو اس میں تخمیر (fermentation) ہوتی ہے اور لیس پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ دیہات میں آج بھی گھروں کو لینے پوتنے کے لیے مٹی گوندھی جاتی ہے تو اس میں توڑی ڈال دیتے

ہیں۔ اس طرح اس کے اندر ایک طرح کا لیس پیدا ہو جاتا ہے جس سے لپائی کے بعد کریش نہیں آتی۔ یہ تخمیر والی مٹی ”طِینٍ لَّازِبٍ“ ہے جس کے اندر لوچ ہے۔ سورۃ الصافات میں ارشاد ہوا: ﴿إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِینٍ لَّازِبٍ ١١﴾ ”ان کو تو ہم نے پیدا کیا ہے ایک لیس دار گارے سے۔“ سورۃ الحجر میں تین بار یہ الفاظ آئے: ﴿مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ ٢٦﴾ یعنی وہ گارا جس کے اندر بدبو یا سڑاند پیدا ہو جائے اور پھر سوکھ کر کھلکھانے لگے۔ جیسے دلدلی علاقوں میں مٹی کے اوپر جو پپڑی سی بن جاتی ہے وہ کھلکتی ہے۔ پھر سورۃ الرحمن میں الفاظ آئے: ﴿مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ١٣﴾ یعنی ٹھیکرے کی طرح کھلکھاتی ہوئی مٹی سے۔ تو یہ ہے انسان کا مادّہ تخلیق!

تخلیقِ آدم کے مراحل

ایک مسئلہ یہ کہ آدم خاکی کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے کس طور سے کی ہے؟ آیا اس گارے کا پتلا بنایا، جیسا کہ کوئی بچہ پتلا بناتا ہے اور پھر اُس سے کھیلتا ہے؟ یا جیسے کوئی فنکار یا مجسمہ تراش پتھر یا مٹی سے مجسمہ بنائے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے گارے سے انسان کا پتلا بنایا اور پھر اُس میں براہ راست پھونکا تو اُس میں جان پڑ گئی! جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ چیز نہ تو ہرگز مستبعد ہے اور نہ ناممکن ہے۔ اس کی ایک مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو معجزات عطا کیے گئے، اُن میں سے ایک یہ معجزہ بھی ہے:

﴿إِنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ إِنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ

الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾

”میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں کہ میں

تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی مانند صورت بناتا ہوں، پھر میں اس میں پھونک

مارتا ہوں تو وہ بن جاتا ہے اڑتا ہوا پرندہ اللہ کے حکم سے۔“

اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی ہو تو کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔ عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا ہو۔ چنانچہ اگر کسی کا یہ تصور بھی ہے تو یہ کوئی بعید از قیاس یا بعید از امکان نہیں ہے۔ پھر اس میں بھی دو امکانات ہیں۔ عام طور پر تصور یہ ہے کہ وہ مٹی زمین

سے آسمانوں پر لے جائی گئی۔ وہاں پر اُس کا مجسمہ بنا اور پھر روح پھونکی گئی تو اُس نے حضرت آدمؑ کی شکل اختیار کی۔ پھر انہیں زمین پر اتارا گیا۔ یہ بھی کوئی ناممکنات میں سے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بھی بعید نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر لے گیا اور ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ پھر آئیں گے، صحیح احادیث کے اندر اس کی خبر موجود ہے، تو یہ بھی ناممکنات میں سے نہیں ہے۔

اس ضمن میں ایک تیسرا امکان بھی ہے، اور وہ بھی ناممکنات میں سے نہیں ہے۔ وہ یہ کہ یہ سارا معاملہ زمین ہی پر ہوا ہو اور تخلیق کے تمام مراحل اُسی طور سے طے ہوئے ہوں جس طور سے حیاتیات کے علماء اور ماہرین بیان کرتے ہیں۔ evolution اور mutation دو الفاظ علیحدہ ہیں، تاہم ان کے مابین فرق سے قطع نظر ماہرین حیاتیات اس بات پر متفق ہیں کہ زمین پر حیوانات کے سلسلے نے تدریجاً ترقی پائی ہے۔ البتہ lower species سے higher species کیسے وجود میں آئیں، یہ وہ مسئلہ ہے جو ابھی تک حل نہیں ہو سکا۔ اس کی جو تشریح، تاویل، توجیہ اور تعبیر ڈارون نے کی تھی اس میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کے لیے کوئی ٹھوس سائنسی شواہد فراہم نہیں کیے جاسکے۔ یعنی یہ کہ حالات کے تغیر کے پیش نظر کوئی جاندار (organism) اپنی ساخت میں ماحول سے ہم آہنگی اور مطابقت (adaptation) پیدا کرتا ہے، اور نئے ماحول میں نئے اوصاف (acquired characters) اختیار کر لیتا ہے۔ حیوانات کے جسمانی اور عضویاتی نظام میں جو تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں، وہ تدریجاً بڑھتے بڑھتے اور نسلاً بعد نسل وراثت میں منتقل ہوتے رہنے سے ایک بالکل نئی نوع (species) کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ تاہم اس نظریے کے تسلیم کیے جانے میں اہم ترین رکاوٹ یہ رہی ہے کہ حیوانات میں نئے اوصاف کا تناسل و توارث کے ذریعے اگلی نسل کو منتقل ہونے کا کوئی ثبوت فراہم نہیں کیا جاسکا۔ یعنی سائنسی طور پر یہ بات ثابت نہیں ہو سکی۔ لہذا ڈارون کے فلسفے کو ذہن سے نکال کر قرآن کے الفاظ پر غور کیجیے۔

انسان کے مادہ تخلیق کے بارے میں قرآن حکیم میں آنے والی مختلف اصطلاحات ماہنامہ میثاق (23) اگست 2026ء

(ثَرَابٌ، طِينٌ، لَازِبٌ، صَلْصَالٌ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ، اور بِالْآخِرِ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ) پر تدبیر کیا جائے تو یہ اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ دلدلی علاقوں میں مٹی کے اندر نامیاتی (organic) صفات پیدا ہوئیں، پھر جہاں پانی اور مٹی کا مسلسل تعامل (interaction) تھا وہاں حیات کا آغاز یک خلوی جاندار (unicellular organism) سے ہوا۔ پھر اُس سے بڑھتے بڑھتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حیوانات کی مختلف انواع (species) وجود میں آئیں۔ ان حیوانات کے اندر تدریجاً ارتقا ہوا۔ پہلے حیات کی ادنیٰ صورتیں (lower forms) ظاہر ہوئیں، اور پھر انہی سے یا علیحدہ سے نسبتاً اعلیٰ صورتیں (higher forms) ظہور پذیر ہوئیں۔ مختلف انواع کے مراحل تخلیق کے درمیان جو بھی خلا تھا، اسے اللہ تعالیٰ کے حکم ”کُنْ“ نے پُر کیا۔ ذاتِ خالق و باری و مصور نے جب چاہا، اپنے امر ”کُنْ“ سے حیوانات کی کسی بھی نوع کے genes میں تبدیلی پیدا کر دی، اور اس طرح ایک نئی نوع وجود میں آ گئی۔ یہ سلسلہ ایک طویل مدت تک جاری رہا، یہاں تک کہ ”حیوانِ انسان“، یعنی بیالوجی کی اصطلاح میں "Homo Sapiens" کے ظہور پر اختتام پذیر ہو گیا۔ واللہ اعلم!

قصہ زمین بر سر زمین

مذکورہ بالا دونوں امکانات کو مد نظر رکھیں تو یہ بھی کوئی ناممکنات میں سے نہیں ہے، اور میرا اپنا ذاتی رجحان اسی کی طرف ہے کہ یہ سارا قصہ زمین بر سر زمین ہی ہوا ہے، اور یہ قصہ زمین بر سر زمین طے بھی ہوگا۔ میدانِ حشر بھی اسی زمین پر ہوگا۔ جیسا کہ سورۃ الفجر میں آیا ہے: ﴿وَجَاءَ رِبُّكَ وَ الْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝۳۱﴾ ”اور آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا جب کہ فرشتے قطار در قطار حاضر ہوں گے۔“ اللہ تعالیٰ کے اس نزول کی کیا کیفیت ہوگی، وہ ہم نہیں جانتے۔ یہ تمام چیزیں بائبل میں اس انداز سے آئی ہیں کہ وہ عارضی جنت جسے آزمائشی جنت بھی کہہ سکتے ہیں، اس زمین پر ہی تھی، جس میں حضرت آدمؑ رکھے گئے۔ اس سے عملی طور پر یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اس شیطان کو پہچان لو، یہ تمہارا ازیلی اور ابدی دشمن ہے۔ اس اعتبار سے تورات کے مطابق وہ آزمائشی جنت اسی زمین پر کسی اونچی جگہ پر تھی، ماہنامہ میثاق (24) اگست 2026ء

جہاں پر ہر قسم کا ساز و سامان اور زندگی کی ضروریات آسانی سے اور فراوانی کے ساتھ موجود تھیں۔ انہیں کچھ کام نہیں کرنا پڑتا تھا اور بڑی آسانی سے پھلوں کی شکل میں انہیں رزق مل رہا تھا۔ گویا زمین پر جنت کی ایک کیفیت تھی۔ قرآن مجید کا طرز بیان بھی ایسا نہیں ہے کہ یہ چیزیں منطبق نہ ہوتی ہوں۔ باقی ہمیں سمجھنا چاہیے کہ یہ چیزیں تشابہات میں سے ہیں جن کے بارے میں یقین اور تعین کے ساتھ کوئی بات کہنا ممکن نہیں۔

میں نے جو مخلوقات کے تین مراتب بیان کیے: ملائکہ، جنات اور پھر حیات ارضی کی بلند ترین شکل انسان اس ضمن میں چند معروضات پیش کر رہا ہوں۔ آج فلسفہ سائنس کی رو سے متعدد نظریات ایک طرح سے تسلیم شدہ حقائق (established facts) کی حیثیت سے قبول کیے جا چکے ہیں۔ ان میں سے دو مراحل سائنس کی گرفت میں آچکے ہیں۔ ایک تو ”انفجارِ عظیم“ (Big Bang) یعنی ایک بہت بڑا دھماکا (explosion) ہوا اور اُس کے نتیجے میں جو مادہ پیدا ہوا اس کا درجہ حرارت اپنی انتہا پر تھا۔ اس مادے کے پھیلنے سے تمام ستارے اور سیارے وجود میں آئے، جن کا ٹمپرچر لاکھوں ڈگری سینٹی گریڈ تھا۔ پھر رفتہ رفتہ یہ کائنات ٹھنڈی ہوتی رہی اور مختلف گروے بھی ٹھنڈے ہوئے۔ ہماری زمین بھی شروع میں بہت گرم تھی، جو رفتہ رفتہ ٹھنڈی ہوئی ہے۔ جیسے جیسے یہ ٹھنڈی ہوئی تو اس کی بالائی سطح پر مٹی کا غلاف وجود میں آیا۔ پھر اس سے بخارات نکلے، جنہیں قرآن نے ”دخان“ کہا ہے۔ اسی دخان کے اندر مختلف گیسوں کے تعامل سے پانی بنا اور پھر وہ زمین پر برسنا۔ زمین پر پہلے غیر نامیاتی مرکبات اور بالآخر نامیاتی مرکبات وجود میں آئے۔

عالم خلق اور عالم امر

البتہ فرشتوں کی تخلیق کا معاملہ سائنس کے دائرے سے خارج ہے۔ ملائکہ اور ارواح انسانی عالم امر کی بنکون ہے، اور ہماری فزیکل سائنس صرف عالم خلق کو explore کر سکتی ہے، عالم امر سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ انسان کا مرکب وجود ہے جو روح اور جسد پر مشتمل ہے۔ ارواح انسانی بالکل ملائکہ کے ہم پلہ ہیں۔ یہ نورانی ہیں، نوری الاصل ہیں۔ ارواح انسانی فرشتوں کے ساتھ ہی پیدا کر دی گئی تھیں، جنہیں پھر کسی

”کولڈسٹورج“ میں رکھ دیا گیا۔ اب جیسے جیسے اس عالم خلق میں رحم مادر کے اندر کسی انسان کا بیوی تیار ہوتا ہے تو اس کی روح لاکر اس میں شامل کر دی جاتی ہے۔ روح کے اعتبار سے انسان جنات سے بہت بالا ہے لیکن محض اپنے مادی جسد کے اعتبار سے وہ جنات سے کم تر ہے۔ اس لیے کہ جنات کی تخلیق نار سے ہوئی ہے جبکہ ہمارا یہ مادی یا جسدی وجود مٹی سے بنا ہے۔ ہماری ارواح تو فرشتوں کی ہم پلہ بلکہ ایک اعتبار سے اُن سے بھی بالاتر ہیں۔ یہاں یہ نکتہ نوٹ کر لیجیے کہ ارواح انسانیہ میں سب سے بلند مرتبہ روح محمدی ﷺ ہے اور آپ سے بالاتر کوئی ہستی نہیں۔ بالکل صحیح کہا ہے جس نے بھی کہا ع ”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر!“ اس لیے کہ ارواح انسانیہ ملائکہ سے بالاتر ہیں۔ سب کے سب فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے جھکایا جا رہا ہے تو ان کا بالاتر ہونا ثابت ہو گیا۔ نوری الاصل ہونے کے اعتبار سے فرشتے اور ارواح انسانیہ برابر ہیں۔ اس اعتبار سے تو مساوات ہے لیکن پھر فرق مراتب ہے۔ ملائکہ میں حضرت جبریل علیہ السلام سید الملائکہ ہیں۔ انسان اپنے مرتبہ میں ملائکہ سے بالاتر ہے، اور ان میں بالاترین اور سب سے برتر روح محمدی ﷺ ہے۔

میں آج کل علامہ اقبال کی ایک کتاب پڑھ رہا ہوں: "Thoughts and Reflections of Iqbal"۔ اس میں ایک انگریز مفکر کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ہماری زبان (انگریزی) کی بڑی ہی تنگ دامانی ہے کہ creation کا صرف ایک ہی لفظ ہے اور ہم اس کی مزید درجہ بندی نہیں کر سکتے۔ واقعہ یہ ہے کہ عربی زبان اس اعتبار سے بہت جامع ہے کہ قرآن نے دو اصطلاحات استعمال کی ہیں: عالم امر اور عالم خلق۔ ان دونوں کے حوالے سے میں جو چیزیں بیان کرتا رہا ہوں، علامہ اقبال کی تحریر کے اندر بھی وہ بات مجھے ملی ہے کہ خلق اور امر دو بالکل جدا عالم ہیں۔ یہ مادی دنیا (material world) عالم خلق ہے، جبکہ عالم امر اس سے ماوراء و بالاتر ہے، جو ہماری فزیکل سائنس کی ریسرچ اور دریافت کے دائرے میں آتا ہی نہیں۔ ہمارے پاس سائنسی علم کے جو بھی ذرائع ہیں، ان کی وہاں تک رسائی نہیں۔

مقدسّات کی حرمت و تحفظ

اور ریاست کی ذمہ داریاں

شجاع الدین شیخ، امیر تنظیم اسلامی

جامع القرآن، قرآن اکیڈمی لاہور میں ۳ جولائی ۲۰۲۶ء کا خطاب جمعہ

خطبہ مسنونہ اور تلاوت آیات کے بعد!

آج کی گفتگو میں مقدسّات کے احترام کے ضمن میں جو گستاخیاں مستقلاً پاکستانی میڈیا پر ہو رہی ہیں اس کے حوالے سے توجہ دلانا مقصود ہے۔ قرآن حکیم کے احترام، امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ، انبیاء کرام ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احترام کے حوالے سے کچھ باتوں کی یاد دہانی کرائی جائے گی۔

دوسری بات فلسطین کے حوالے سے کہ اس وقت عالمی سطح پر امریکہ اور ایران کا جو معاملہ بنا، جس کے پس پردہ بہر حال صہیونی قوتیں ہیں اس کے ذیل میں ہم دیکھتے ہیں کہ فلسطین کے مسئلہ کو بالکل بھلا دیا گیا ہے۔ امریکہ اور ایران کی جنگ کے رکوانے کے حوالے سے کسی درجے میں مفاہمت اور ثالثی کے معاملے میں اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو اعزاز دیا ہے۔ اس کی ہم تحسین کرتے ہیں، البتہ پورے عالم کی سطح پر جہاں یہ کوششیں اور محنتیں ہوں وہاں اس سے بڑھ کر حق یہ ہے کہ اپنے ملک کو سدھارنے کی کوشش بھی کی جائے۔ ملک میں مفاہمت کا معاملہ ہوا امن ہو، انتشار ختم ہو۔ اس کی طرف بھی توجہ دلانا مقصود ہے۔

مقدسّات کے احترام کے حوالے سے قرآن کریم ہمیں یوں سمجھاتا ہے:

﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ (الحج)

”اور جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے گا تو یقیناً یہ دلوں کے تقویٰ کی بات ہے۔“

شعائر شعیبہ کی جمع ہے، یعنی وہ نشانی یا علامت (symbol) جس سے کچھ یاد دہانی ہو۔

ماہنامہ میثاق (29) اگست 2026ء

”شعائر اللہ“ سے مراد وہ مقدسّات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ وہ مساجد ہیں، بیت اللہ شریف ہے اور مقدس مقامات ہیں۔ اسی طرح مناسک حج کے مقامات ہیں۔ قرآن حکیم کے نسخے ہیں، صفا اور مروہ ہے۔ یہ سب نشانیاں شعائر اللہ میں سے ہیں اور ان کا احترام ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔ قرآن حکیم رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿الَّذِينَ أُولَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ (الاحزاب: ۶۰)

”یقیناً نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حق مؤمنوں پر خود ان کی جانوں سے بھی زیادہ ہے۔“

نبی اکرم ﷺ اہل ایمان کے نزدیک ان کی جانوں سے بڑھ کر عزیز اور مقدم ہیں۔ اس کے کئی مفاہیم ہیں۔ ہمیں اپنی جان سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے محبت ہونی چاہیے۔ ان کی حرمت کا معاملہ ہو تو اس کے لیے بندہ مسلم جان تک پیش کرنے کے لیے تیار رہے۔ ایک گہرا مفہوم یہ بھی ہے کہ ہماری جانوں پر ہم سے بڑھ کر اللہ کے رسول ﷺ کا اختیار ہے۔ وہ جو چاہیں، ہمیں حکم دیں۔ ع ”بعد از خدا بزرگ تو کی قصہ مختصر“ اللہ کے بعد سب سے بڑی ہستی امام الانبیاء ﷺ کی ہے۔ یہ فضیلت حضور ﷺ کو سب سے بڑھ کر حاصل ہے۔ قرآن حکیم میں رسولوں کے درمیان فضیلت کا ذکر ہمیں ملتا ہے۔ تیسرے پارے کے آغاز میں فرمایا:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ (البقرة: ۲۵۳)

”ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔“

اللہ تعالیٰ کسی کو ”خلیل اللہ“، کسی کو ”کلیم اللہ“ اور کسی کو ”روح اللہ“ قرار دیتا ہے۔ فضیلت تو رسولوں کے درمیان ثابت ہے، البتہ تفریق ثابت نہیں ہے۔ سورۃ البقرۃ کے آخر میں ارشاد ہے:

﴿لَا تَفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ﴾ (البقرة: ۲۸۵)

”(یہ کہتے ہیں کہ) ہم اللہ کے رسولوں میں کسی کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے۔“

ماننے کے اعتبار سے سب پر ایمان لازم ہے، خواہ ان کے نام معلوم بھی نہ ہوں۔ معروف روایت ہے کہ سوا لاکھ انبیاء و رسل ﷺ اللہ تعالیٰ نے بھیجے۔ قرآن حکیم میں ۲۶ کا ذکر آتا ہے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں ایک علمی بحث ہے البتہ ان کے نام سمیت ۲۶ انبیاء و رسل کے

نام قرآن مجید میں آتے ہیں۔ بعض کے نام ہمیں احادیث میں اور بعض کے نام اسرائیلی روایات

میں مل جاتے ہیں۔ اکثر کے نام بھی نہیں معلوم، لیکن ان سب پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ ہم اللہ کے

رسولوں میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے۔ ایمان لانے کے اعتبار سے سب پر ایمان

ماہنامہ میثاق (30) اگست 2026ء

لانا لازم اور احترام کے اعتبار سے سب کا احترام لازم ہے۔

انبیاء کرام ﷺ کے بعد مقدس ترین ہستیاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کے بعد مقدس ترین ہستیاں صحابہ کرام کی ہیں۔ ایک فرق جو ہمارے ہاں کیا جاتا ہے یا کر دیا جاتا ہے وہ اہل بیت اور صحابہ کرام کا ہے۔ مجموعی اعتبار سے سب صحابہ کرام ہیں۔ قرآن حکیم میں سورہ ہود میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے میں ان کی زوجہ محترمہ کے لیے اہل بیت کے الفاظ آئے ہیں۔ اسی طرح سورہ الاحزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لیے اہل بیت کے الفاظ آتے ہیں۔ احادیث مبارکہ میں حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے لیے بھی اہل بیت کے الفاظ آتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلمان تو ہمارے اہل بیت میں شامل ہیں۔ یہ ہے وسیع تر تصور کہ اہل بیت کا بھی ذکر ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات بھی شامل، حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرات حسین رضی اللہ عنہم بھی شامل اور اس ایک روایت کے مطابق حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی شامل۔ یہ مجموعہ پورا ہمارے سامنے رہے۔ ہمارے ہاں یہ جو اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان اختلافات کو اچھا ل کر اہل بیت کو ایک طرف کر دیا جاتا ہے اور صحابہ کو دوسری طرف، یہ تصور اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے خلاف ہے۔ سب کے سب صحابہ کرام ہیں۔ جن کو ہم اہل بیت کہتے ہیں ان کے اور صحابہ کرام کے درمیان رشتوں کا ذکر بھی آنا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ و اماد ہیں کس کے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: ”اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔“ حضرت عمر اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مشاورت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شامل رکھا کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جب محاصرہ ہوا ۵۰ دن ناکا بندی ہوئی، مظلومانہ شہادت کا معاملہ ہوا تو پہرہ دینے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو وہاں پر مقرر فرمایا۔ حضرت عمرؓ کا دور تھا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ”ابا جان! آپ نے حسن اور حسین کا زیادہ وظیفہ کیوں مقرر کیا؟“ تو حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: ”کیا حسن اور حسین کے باپ جیسا باپ کسی کا ہے ان کی ماں جیسی ماں کسی کی ہے ان کے نانا جیسے نانا کسی کے ہیں؟“ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وصلى الله عليه وسلم!

در اصل ہمارے ہاں تفریق کر دی جاتی ہے معاذ اللہ اور پھر نفرتوں کا ایک پہاڑ ہے جو ایک طبقے کی حرکتوں کی وجہ سے ہمیں دکھائی دیتا ہے۔ مقدسات میں قرآن کی بات بھی آئے گی

امام الانبیاء صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بھی آئے گی تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کی بات آئے گی۔ مقدسات میں شخصیات کے اعتبار سے صحابہ کرام بھی شامل ہیں اور اہل بیت بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ یہ ہے مقدسات کے اعتبار سے ہمارا مجموعی تصور جو سامنے رہنا چاہیے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ صحابہ کی عظمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿وَالشَّاقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ (التوبة: ۱۰۰)

”اور پہلے پہل سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار میں سے اور وہ جنہوں نے اُن کی پیروی کی نیکو کاری کے ساتھ اللہ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔“

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں صحابہ کرامؓ بالخصوص مہاجرین و انصار کے گروہوں کا ذکر فرما کر ان کو اپنی رضامندی کی سند عطا فرماتا ہے۔ ہمارے ہاں اگرچہ تاریخی حوالے سے بہت باتیں آتی ہیں، لیکن تاریخ کا رتبہ و درجہ بعد میں آئے گا۔ اصل فرقان ہے قرآن حکیم اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم۔ مجموعی بات یہ ہے کہ ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ تعالیٰ سرٹیفکیٹ دیتا ہے۔ ان صحابہ کے ایمان کو معیار قرار دیتا ہے۔ پہلے پارے کے آخر میں ذکر آتا ہے:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا﴾ (البقرة: ۱۳۷)

”پھر (اے مسلمانو!) اگر وہ (یہود و نصاریٰ) بھی اُسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تب وہ ہدایت پر ہوں گے۔“

یہاں ”تم“ جمع کا صیغہ ہے۔ اُس دور میں جب قرآن نازل ہو رہا تھا اس سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے:

﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ﴾ (الحجرات: ۷)

”لیکن (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیو!) اللہ نے تمہارے نزدیک ایمان کو محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں کے اندر کھبا دیا ہے“

اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے دلوں میں جما دیا ہے، مزین کر دیا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی عظمت کا ذکر قرآن پاک میں جا بجا آتا ہے۔ جمعہ کے خطبات میں ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سنتے ہیں:

اللَّهُ فِي أَصْحَابِي، لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَغْدِي

”اللہ سے ڈرنا، اللہ سے ڈرنا میرے صحابہ کے بارے میں۔ میرے بعد ان کو تنقید کا نشانہ نہ بنانا (انگلیاں نہ اٹھانا، الزام نہ لگانا، تنقیص نہ کرنا، گستاخی نہ کرنا۔)“

((فَمَنْ أَحْبَبَهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ))

[سنن الترمذی: ۳۸۶۲]

”جو میرے صحابہ سے محبت کرتا ہے تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے (دشمنی رکھتا ہے، نفرت کرتا ہے، معاذ اللہ!) تو مجھ سے بغض کی وجہ سے (مجھ سے نفرت اور دشمنی کی وجہ سے) ان سے بغض رکھتا ہے۔“

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے معاملے کو اپنی ذات سے جوڑا۔ فرمایا کہ ان سے کوئی محبت کرتا ہے تو میری محبت کی وجہ سے محبت کرتا ہے اور ان سے کوئی بغض رکھتا ہے، عناد رکھتا ہے، تو مجھ سے بغض اور عناد کی وجہ سے۔ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں۔ یہ میں نے تذکیر کے طور پر چند آیات قرآنیہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے سامنے رکھیں۔

یہ بات یاد رہے کہ معصومیت صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے ہے۔ خطاؤں سے پاک ہونا، گناہوں سے پاک ہونا انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ان کی اجتہادی خطاؤں کا ذکر ملتا ہے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۚ﴾ (آل عمران: ۱۵۲) اللہ تم سے درگزر فرما چکا، تم کو معاف فرما چکا۔ اب کوئی بد باطن ہی ہوگا جس کے دل میں خبث اور گندگی بھری ہوئی ہوگی جو صحابہ کرامؓ کے خلاف زبان دراز کرے گا۔ معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ ان کی اجتہادی خطاؤں کا بھی ذکر فرماتا ہے تو ان کی معافی کا اعلان فرماتا ہے چاہے وہ اُحد کے بارے میں ہو، تبوک کے معاملے میں ہو یا دیگر مواقع پر۔ اللہ ان کو قرآن مجید میں بار بار ﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ﴾ (البینہ: ۸) فرماتا ہے۔

یہ سوشل میڈیا کا دور ہے، ڈیجیٹل عہد ہے۔ پہلے کبھی کوئی کھدرے میں کوئی معاملہ ہوتا تھا تو کسی کے علم میں نہ آتا تھا۔ اب تو بد بخت اور ظالم ان گستاخیوں کو آپ لوڈ کرتے ہیں جن کو دیکھ کر خون کھولتا ہے۔ قرآن پاک کے نسخوں کے بارے میں ہم نے یہاں بھی پہلے ذکر کیا، سوشل میڈیا پر بھی ذکر کیا ہے، پریس ریلیز میں بھی ذکر کیا ہے، درود رکھنے والے دیگر حضرات نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، علماء نے بھی ذکر کیا ہے، جو لوگ سوشل میڈیا پر فعال ہیں ان لوگوں نے بھی ذکر کیا ہے۔ حکمرانوں سے ہمارا ایک تقاضا کیا ہے؟ اب وہ باتیں زبان پر لاتے ہوئے بھی جھجک

آتی ہے کہ قرآن حکیم کے مقدس اور اوراق نسخوں کے اوپر معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ، ناپاک قسم کے قطرے بہائے گئے، جو اسی ناپاکی کی حالت میں ابھی تک ایف آئی اے اور دیگر ریاستی اداروں کی تحویل میں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک ضابطے کی کارروائی مکمل نہ ہو، تحقیقات کے ثبوت رکھنے ہوتے ہیں۔ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ ان کو غسل دیا جائے اور احترام کے ساتھ دفن کر دیا جائے۔ اگر ضابطے کا کوئی مسئلہ ہے کہ ثبوت ضائع نہیں کر سکتے تو اس کا کیا حل ہوگا؟ اس کو بھی بعض درود رکھنے والے لوگوں نے تجویز کیا ہے۔ ہم نے اس کو پہلے بھی بیان کیا ہے، سوشل میڈیا پر بھی پیش کیا ہے، ذمہ داران تک بھی پہنچایا ہے، علماء تک بھی پہنچایا ہے، آج پھر مجھے وہ کہنا پڑ رہا ہے۔ قیصر احمد راجہ صاحب اور کچھ حضرات کی سفارشات ہم نے علماء تک بھی پہنچائیں، ذمہ داران تک بھی پہنچائیں۔ میں پڑھ کر آپ کو سنا دیتا ہوں۔

(۱) ان تمام نسخوں کا فوری طور پر ڈی این اے ٹیسٹ مکمل کیا جائے تاکہ قانونی ثبوت محفوظ ہو جائیں۔ جب بھی ضابطے کی کارروائی آگے بڑھے گی تو ڈی این اے ٹیسٹ کی رپورٹ پیش کر دی جائے۔

(۲) ان رپورٹس اور دستاویزی ثبوتوں کو محفوظ کرنے کے بعد ایک بااختیار ریاستی عہدے دار کی نگرانی میں ان نسخوں کو اس غلاظت سے پاک کر کے غسل دے کر شرعی طریقے سے تدفین کی جائے۔

(۳) اگر کوئی قانونی رکاوٹ درپیش ہو تو اس مقصد کے لیے فوری طور پر از خود نوٹس (Suo Moto Action) قانون سازی یا صدارتی آرڈیننس کے ذریعے طریقہ کار وضع کیا جائے۔ یہ سب ممکن ہے۔ ہمارے ہاں سو موٹو ایکشن بہت لیے گئے۔ قانون سازی کے حوالے سے پچھلے دور حکومت کے دوران ایک سانس میں ۳۳ قانون بنا ڈالے گئے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کی حرمت کے لیے ایک قانون بنانا ہماری نیشنل اسمبلی اور سینیٹ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں۔

ع ”حمیت نام تھا جس کا گئی تیور کے گھر سے!“ اس قدر بے غیرتی کی بات ہے۔ اگر میں کھل کر کہوں تو ہمارے ریاستی ذمہ داروں کے مسخ شدہ خاکے (caricatures) بن جائیں اور ان کا نام لے کر میمز بنائی جائیں تو یہ ہندوؤں کا سافٹ ویئر بھی اڈیٹ کر دیتے ہیں، انہیں اٹھا کے بھی لے جاتے ہیں مار بھی دیتے ہیں یا مروا بھی دیتے ہیں۔ اللہ کے کلام کی حرمت کے لیے کیا

ہمارا ایمان ہمیں بیدار نہیں کر رہا ہے؟ ہم اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھائیں گے؟ اس میں کون سی امریکہ کی رضامندی کا مسئلہ ہے؟ آئی ایم ایف، ورلڈ بینک یا یو این او کی منظوری درکار ہے؟ صہیونیوں کو ناراض نہ کرنے کا معاملہ ہے؟ یہ چیز ہمارے ارباب اختیار کے ہاتھ میں ہے۔ سوموٹو ایکشن کوئی قانون سازی کا معاملہ یا پھر صدارتی آرڈیننس بھی جاری کیا جاسکتا ہے۔ صدر صاحب کے پاس بڑا ٹائم ہے۔ بڑے آرڈیننس جاری ہوتے رہتے ہیں، ہم سب کو پتہ ہے۔ اللہ کی کتاب کی حرمت کے حوالے سے کیا ایک آرڈیننس جاری نہیں ہو سکتا؟

دوسری بات، جیونیوز والوں نے جو کچھ کیا وہ سب کو پتہ چل گیا۔ کچھ اور چیزیں بھی سامنے آئی ہیں۔ اے آر وائی ڈیجیٹل بھی بہت کچھ چلاتا رہا ہے۔ ماضی میں ”دی میج“ جب چلی تھی تو کیا کچھ اس میں دکھا دیا گیا۔ صحابہ کو بھی represent کر دیا گیا۔ زنا کرنے والوں نے صحابہ کرام کے رول ادا کیے۔ یہ چیزیں دماغ کے اندر چسپاں ہو جاتی ہیں۔ ہمیں حساس ہونا چاہیے کہ انبیاء و رسل ﷺ چاہے امام الانبیاء خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا کوئی اور نبی بھی ہوں، کسے باشندہ احترام میں سب برابر ہیں۔ وہ ان کا ہائیڈ پارک ہوگا جہاں پر جا کر وہ معاذ اللہ Jesus Christ کو بھی برا بھلا کہتے ہیں۔ نہ جانے کیا کچھ کرتے ہیں۔ پیغمبروں کا ادب اور احترام ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔ وہ جو علامہ اقبال نے کہا ہے:۔

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو!

ایسے میں میرے اور آپ کے پاس بچے گا کیا؟ اللہ کے ہاں تو نجات کے لیے شرط اول ایمان ہے۔ اس کے اوپر ہماری آواز بلند ہونی چاہیے۔ ابھی پندرہ دن کے لیے لائنس معطل ہوا، لیکن یوٹیوب پر وہ دھڑلے کے ساتھ چل رہا ہے۔ اس وقت بتایا گیا کہ پیمرانے اسلامی نظریاتی کونسل سے رائے مانگی ہے کہ بتائیے پندرہ دن کے لیے نشریات معطل کرنا کافی ہے یا اس سے آگے بھی کچھ کرنا چاہیے؟

اتحاد تنظیمات مدارس کا ایک بڑا فورم ہے جو دینی مدارس کے پانچ وفاق دیوبندی، بریلوی، اہل الحدیث، جماعت اسلامی اور اہل تشیع کی ایک سپریم کونسل ہے۔ ہم بھی تنظیم اسلامی کے فورم سے دینی و مذہبی معاملات کے حوالے سے کوئی رہنمائی لینے یا توجہ دلانے کے لیے

اسلامی نظریاتی کونسل کو بھی لکھتے ہیں، ان کو بھی لکھتے ہیں۔ میری گزارش یہ ہے کہ حکومت اسلامی نظریاتی کونسل سے بھی رائے لے لیکن بہر حال وہ ایک ریاستی ادارہ ہے جس کی اپنی ایک capacity ہے اس کے ساتھ اتحاد تنظیمات مدارس سے بھی رہنمائی لے بلکہ تمام وفاقوں کی طرف سے رہنمائی آنی چاہیے تاکہ once for all یہ سارا معاملہ طے کیا جائے۔

۲۰۱۲ء میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے حضرات نے بھی ایک پریس ریلیز جاری کیا تھا جس میں انہوں نے تفصیل بتائی۔ ۲۰۱۲ء میں لاہور ہائی کورٹ میں مقدمہ درج ہوا کہ پیمرانے پی ٹی اے اور دیگر ریاستی اداروں کو پابند کیا جائے کہ سیٹلائٹ چینل، پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا، سوشل میڈیا پر کسی بھی پیغمبر ﷺ کے تعلق سے کسی قسم کا بھی کوئی خاکہ، بصری قسم کی کوئی شبیہ یا تصویر، کسی قسم کا کوئی مواد نشر نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ یہ ہوتا رہا ہے۔ لاہور ہائی کورٹ کی ہدایات بھی موجود ہیں، کچھ ضابطے کی کارروائیاں ماضی میں بھی ہوئیں لیکن اس حوالے سے پوری ریاست کی سطح پر پیمرانے پی ٹی اے اور دیگر متعلقہ اداروں کو اپنی ذمہ داری ادا کرنی چاہیے تاکہ یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل ہو جائے۔ یہ محض کوئی سیاسی مسئلہ نہیں ہے بلکہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔ تمام انبیاء و رسل ﷺ کے حوالے سے یہ clarity رہنی چاہیے۔ اس میں سزاؤں کا بھی کوئی mechanism ہونا چاہیے، اس لیے کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ جب تک انہیں نشانِ عبرت نہیں بنائیں گے، یہ سلسلہ چلتے رہیں گے۔

اب اس سے اگلی بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے۔ مقدمات کے ذیل میں بھی ضابطے موجود ہیں۔ ماضی میں ۱۹۹۶ء میں ملی یکجہتی کونسل بھی قائم کی گئی تھی۔ اس کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ شیعہ سُنی فسادات کو روکا جائے۔ اس سطح پر بھی ضابطہ اخلاق موجود ہے۔ ریاستی سطح پر بھی ضابطہ اخلاق موجود ہے۔ پاکستان کے حکام بالانے بھی ضابطہ اخلاق شائع کیے ہیں، لیکن ضابطہ اخلاق عام طور پر ماہِ محرم سے چند دن پہلے آتا ہے۔ ہمیں بھی ایک جگہ بلا یا گیا۔ ہم نے کہا کہ یہ ضابطہ اخلاق صرف ماہِ محرم کے لیے ہے جبکہ اصل مسئلہ تو پورے سال سے متعلق ہے۔ ہم تو سب کے تقدس پر یقین رکھتے ہیں احترام کرتے ہیں۔ کون سا مذہب ہوگا جو یہ کہتا ہو کہ کسی کی مقدس شخصیات کو گالی دی جائے! اگر آپ کسی شخصیت کی تعریف نہیں کر سکتے، اس کی فضیلت بیان نہیں کر سکتے تو کوئی بات نہیں۔ آپ گالیاں کیوں دیتے ہو؟ الزام تراشیاں کیوں کرتے ہو؟ اس طرزِ عمل ماہنامہ میثاق (36) اگست 2026ء

ماہنامہ میثاق (35) اگست 2026ء

سے کیا دوسروں کے جذبات پامال نہیں ہوں گے! سورۃ الانعام (آیت ۱۰۸) میں فرمایا گیا:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ﴾
 ”اور مت گالیاں دو (یا مت برا بھلا کہو) اُن کو جنہیں یہ پکارتے ہیں اللہ کے سوا تو وہ اللہ کو گالیاں دینے لگیں گے زیادتی کرتے ہوئے بغیر سوچے سمجھے۔“

بتوں کی نفی کرنا ایمان کا حصہ ہے، جبکہ ان کو گالیاں دینا، اشتعال انگیز زبان اختیار کرنا نامناسب ہے۔ یہ بڑا پیارا جملہ ہے کہ اگر کسی مکتب فکر کے لوگ کسی دوسرے مکتب فکر کے افراد، شخصیات، مقدسات کی فضیلت بیان نہیں کر سکتے یا تعریف نہیں کر سکتے تو خاموش ہو جائیں۔ گالیاں دینا کون سا مذہب ہے؟ زبان دراز کرنا کون سا مذہب ہے؟ ایسے بد بخت ظالم بھی ہیں کہ کسی دریدہ دہن کو محرم کے مینے میں لندن سے بلایا جاتا ہے اور وہ ساری بد بختیاں کرتا ہے زبان درازی کرتا ہے اور پھر فوراً لندن واپس چلا جاتا ہے۔ کوئی نہیں پوچھتا اس کو۔ سارے ضابطے موجود ہیں۔ کہاں ہے ضابطہ اخلاق پر عمل درآمد کا معاملہ؟ اس معاملے میں بعض حساس ریاستی ادارے والے بھی پریشان ہیں۔ حل یہ ہے کہ ضابطے کو نافذ کریں۔

ہر سال اس طرح کی چیزیں آتی ہیں جذبات کو مجروح کیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ اگر اسی طرح جاری رہا تو نفرتیں پیدا ہوں گی، انتشار ہوگا، بد امنی ہوگی ملک کو آگ میں دھکیلا جائے گا۔ اس حوالے سے بھی ریاستی اور حکومتی اداروں سے گزارش ہے کہ جو ضابطہ اخلاق موجود ہیں انہیں شائع کریں تاکہ عوام کو بھی پتا ہو، خطباء کو بھی پتا ہو کہ اگر اس کی خلاف ورزی ہوئی تو پھر سزا بھی دی جائے گی۔ اس کے بغیر یہ معاملات سدھرنے والے نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کی آب یاری عطا کرے اور اپنی تمام کتابوں اور انبیاء و رسل علیہم السلام کا سچا احترام عطا فرمائے۔ صحابہ کرام و اہل بیت کا سچا احترام ہمیں عطا فرمائے۔ ہمیں غیرت دینی عطا فرمائے۔ میری اور آپ کی والدہ کو کوئی گالیاں دے تو کیا ہم برداشت کریں گے؟ خون کھولے گا کہ نہیں؟ اس موضوع کو تو میں نے ابھی چھیڑا ہی نہیں جو گستاخیوں والے سینکڑوں کیسز ابھی التواء میں ہیں۔ ہمیں اپنے ایمان اور اپنی غیرت کا جائزہ لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو بھی غیرت دینی عطا کرے۔ کل اللہ کے سامنے جواب دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو صحیح فیصلے کرنے، ان معاملات کے حوالے سے حساسیت دکھانے اور ترجیحی بنیادوں پر ان معاملات کو حل کرنے کی توفیق عطا فرمائے! آمین!

ماہنامہ میثاق (37) اگست 2026ء

حالاتِ حاضرہ

امریکہ ایران جنگ کے حوالے سے ابھی وقتی طور پر وقفے کا معاملہ ہے۔ بہت ساری باتیں سامنے آرہی ہیں۔ صہیونی تو رکنے والے نہیں۔ وہ گریٹر اسرائیل کا منصوبہ تو رکنے والے نہیں۔ اکتوبر ۲۰۲۵ء میں نام نہاد جنگ بندی کی گئی تھی، لیکن اس کے بعد بھی ہر روز ایک بچے کی شہادت ہو رہی ہے۔ فلسطین میں بیس ہزار سے زیادہ بچے شہید ہو چکے ہیں اور چوالیس ہزار زخمی ہیں۔ تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ مقبوضہ فلسطین کے علاقے میں اسرائیل اور امریکہ کا معاہدہ ہو گیا ہے۔ امریکی سفارت خانہ بنانے کے لیے ۱۱۳ ایکڑ زمین سالانہ ایک ڈالر پر ۹۹ سال کے پٹا (lease) پر دی گئی ہے۔ کون سی ناراضگی ٹرمپ کی اور کون سی ناراضگی بٹین یا ہو کی! سب ڈرامہ بازی ہے۔ ”فرنگ کی رگ جاں پنجہ بیہود میں ہے!“ وہ رکنے والے نہیں ہیں۔ اور ہمارا معاملہ کیا ہے؟ میں کراچی کے جس علاقے میں رہتا ہوں ڈیڑھ سال پہلے وہاں شفٹ ہوا تھا آج تک قریبی مسجد میں فلسطین کے لیے دُعا ہوتے ہوئے نہیں سنی۔ ہمارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے، اگر منبر سے دعا نہیں ہو رہی تو کیا ہم نے فلسطین والوں کو یاد رکھا ہوا ہے؟

ہماری بے غیرتی کا عالم یہ ہے کہ ہم سے صحیح طور پر بائیکاٹ تک نہیں ہوا۔ خدا کی قسم دل خون کے آنسو روتا ہے جب لائیں لگی ہوئی ہوتی ہیں ان ریسٹورنٹس پر جو واضح طور پر اسرائیل کو سپورٹ کرتے ہیں۔ ہم سے وہ برگرنہیں جھوٹا ہے، وہ سافٹ ڈرنک نہیں جھوٹی ہے۔ اگر کل ہم پر تھوڑا سا مشکل وقت آئے گا تو ہمارا ایمان بھی زندہ بچے گا یا نہیں؟ امتحان صرف اہل فلسطین کا ہی نہیں ہوا بلکہ میرا اور آپ کا بھی ہو رہا ہے۔ دعا ہم نہ کریں، کوئی آواز ہم بلند نہ کریں، امریکہ ایران کی جنگ کے دوران ان کو بھول جائیں بائیکاٹ ہم سے نہ ہو تو ہمارا ایمان کدھر کھڑا ہے! زندگی ایک امتحان ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۗ﴾ (الملک: ۲۰)

اللہ تعالیٰ نے موت اور حیات کا سلسلہ اس لیے قائم فرمایا کہ امتحان لے کے عمل کے اعتبار سے بہترین کون ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم کرے! فلسطین والوں کو بھی نہ بھولیں، کشمیر والوں کو بھی نہ بھولیں! پاکستان کو بھی نہ بھولیں!

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین ○○

ماہنامہ میثاق (38) اگست 2026ء

هَازِمُ اللَّذَاتِ

اعجاز لطیف (نائب امیر تنظیم اسلامی)

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے، باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں!
(انشاء اللہ خان انشا)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلْقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ غِلْمِ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (الجمعة)

”(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ تم سے
ملاقات کر کے رہے گی، پھر تمہیں لوٹا دیا جائے گا اُس ہستی کی طرف جو پوشیدہ اور ظاہر
سب کا جاننے والا ہے، پھر وہ تمہیں جتنا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اُكْثِرُوا مِنْ ذِكْرِ هَازِمِ اللَّذَاتِ الْمَوْتِ)) (رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ)
”لوگو! موت کو کثرت سے یاد کرو (اور یاد رکھو) جو دنیا کی لذتوں کو ختم کر دینے والی ہے۔“

اللہ سبحانہ و تعالیٰ انسانی شعور کو جھنجھوڑتے ہوئے اعلان فرماتے ہیں:

﴿أَلَيْسَ مَا تَكُونُوا يُدْرِكُكُمْ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ﴾

(النساء: ۷۸)

”تم جہاں کہیں بھی ہو، موت تمہیں آ لے گی، خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہی کیوں نہ ہو!“

یہاں مضبوط قلعوں کی مثال دے کر انسانی ٹیکنالوجی اور مادی تحفظ کے تصور کو پاش پاش کر دیا
گیا ہے۔ آج کا انسان جدید میڈیکل سائنس، بہترین سکیورٹی، انڈر گراؤنڈ بنکرز اور جدید اسلحے

☆ تنظیم اسلامی کے نفعیاء اجتماع ۲۰۲۶ء میں کیا گیا خطاب

کے بل بوتے پر خود کو محفوظ سمجھتا ہے، لیکن موت وہ طاقت ہے جس کا راستہ کوئی دیوار نہیں روک
سکتی۔ انسان کائنات کی وسعتوں میں کہیں بھی چھپ جائے، موت اسے ڈھونڈ نکالے گی۔ یہ
خون کی گردش اور سانس کی لہروں کے اندر سے برآمد ہوتی ہے۔ یہ آیت ہمیں سکھاتی ہے کہ
دفاع موت کا نہیں بلکہ اس کے بعد آنے والے حالات کا ہونا چاہیے۔

اسی طرح سورۃ لقمان میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۖ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۖ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا
تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ
عَلِيمٌ حَبِيرٌ﴾ (لقمن)

”بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، وہی بارش نازل کرتا ہے، اور وہ جانتا ہے
جو رحموں میں ہے۔ اور کوئی جان نہیں جانتی کہ وہ کل کیا کمائے گی، اور کوئی جان نہیں جانتی
کہ وہ کس زمین میں مرے گی۔ بے شک اللہ خوب جاننے والا، پوری خبر رکھنے والا ہے۔“

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے، پل کی خبر نہیں
(حیرت الہ آبادی)

سورۃ العنکبوت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ﴾

”ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے، پھر تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔“

سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۖ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ﴾

”ہر جان دار کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور ہم آزماتے رہتے ہیں تم لوگوں کو شر اور خیر کے
ذریعے سے، اور تم سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹا دیے جاؤ گے۔“

سورۃ آل عمران میں فرمایا:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۖ وَإِنَّمَا تُوَفَّقُونَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ فَمَنْ زُحِرَ

عَنِ النَّارِ ۖ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۖ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾

”ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ قیامت کے دن

دیا جائے گا۔ پھر جو شخص آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہی کامیاب ہو گیا۔ اور دنیا کی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔“

کیا آپ نے سوچا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہ کیوں فرمایا ہے کہ ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے یہ کیوں نہیں کہا کہ ہر ذی روح کو موت آتی ہے؟ کیا آپ نے کبھی اس لفظ ”ذائقہ“ جس کو انگریزی میں taste کہتے ہیں پر غور کیا؟

سائنس کہتی ہے کہ ہر انسان کے چکھنے کی حس مختلف ہوتی ہے۔ اگر کسی کو کوئی چیز پسند نہیں اس کو اس کا ذائقہ برا ہی لگے گا۔ جس طرح ہر چیز کا ذائقہ بنانے کے لیے کچھ اجزاء مخصوص ہوتے ہیں اسی طرح ہر شخص کی موت کا ذائقہ اس کے اعمال کے مطابق ہوگا۔ یہ آپ کی موت ہے تو اس کا ذائقہ بھی آپ ہی کو چکھنا ہوگا۔ لہذا ابھی سے اپنے اعمال اور معاملات درست کر لیں تاکہ موت کا ذائقہ خوش گوار ہو۔ سورۃ القصص میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَيَلِيهِ تَرْجَعُونَ ﴿٥٨﴾﴾

”ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اُس کی ذات کے۔ حکومت اُسی کی ہے اور تم سب اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔“

سورۃ الرحمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٥٩﴾ وَيَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٦٠﴾﴾

”زمین پر جو کوئی ہے سب فنا ہونے والا ہے۔ اور آپ کے رب کی ذات باقی رہے گی جو بزرگی اور عزت والی ہے۔“

ہر نفس طوفان ہے ہر سانس ہے اک زلزلہ
موت کی جانب رواں ہے زندگی کا قافلہ
مضطرب ہر چیز ہے جنبش میں ہے ارض و سما
ان میں قائم ہے تو تیرے رب کے چہرے کی ضیا
کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا!
(جوش ملیح آبادی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی متذکرہ بالا حدیث کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

((أَكْتَبُوا ذِكْرَ هَٰذِهِمِ اللَّذَاتِ))

ماہنامہ میثاق (41) اگست 2026ء

”لذتوں کو ختم کر دینے والی چیز (یعنی موت) کو کثرت سے یاد کیا کرو۔“

حکایت ہے کہ کسی شخص کی حضرت عزرائیل علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے ان سے کہا کہ آپ نے جب میرے پاس آنا ہو تو سال بھر پہلے بتادیں تاکہ موت کے لیے کچھ تیاری کر لوں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے وعدہ فرمایا۔ پھر ایک روز اچانک فرمان الہی لے کر پہنچ گئے۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام کو یوں سامنے دیکھ کر وہ شخص حیران رہ گیا۔ عرض کی: حضرت! آپ نے تو مجھے سال بھر پہلے بتانے کا وعدہ فرمایا تھا، لیکن اب آپ اچانک تشریف لے آئے؟ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ اس سال کے دوران میں تمہارے فلاں فلاں عزیز، فلاں فلاں رشتے دار، فلاں فلاں دوست کے پاس آیا، اور یہی بتانے کے لیے آتا رہا کہ تم بھی تیاری کر لو، تمہارے پاس آنے ہی والا ہوں۔ میرا خیال تھا تم کافی عقل مند اور سمجھ دار ہو، سمجھ جاؤ گے۔ اگر تم اتنے ہی احمق ہو اور بے وقوف تھے کہ سمجھ نہ سکتے تو اس میں میرا کیا قصور!

موت کی یاد: زنگ آلودہ دل کی صفائی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ هَذِهِ الْقُلُوبُ تَضْدَأُ كَمَا يَضْدَأُ الْحَدِيدُ إِذَا أَصَابَهُ الْمَاءُ)) قِيلَ:

يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا جَلَاؤُهَا؟ قَالَ: ((كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ))

(شعب الایمان للبیہقی)

”بے شک یہ دل بھی زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے لوہا پانی لگنے سے زنگ آلود ہو جاتا

ہے۔ عرض کیا گیا: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان (دلوں) کی صفائی کس چیز سے ہوتی ہے؟“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”موت کو کثرت سے یاد کرنے اور قرآن کی تلاوت کرنے سے۔“

انسان موت سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، جہنم سے نہیں، حالانکہ کوشش کرنے سے انسان جہنم سے تو بچ سکتا ہے، موت سے نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ)) (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

”مؤمن کا تحفہ موت ہے۔“

موت طبعی طور پر کسی کے لیے بھی خوش گوار نہیں ہوتی، لیکن اللہ کے جن بندوں کو ایمان و

ماہنامہ میثاق (42) اگست 2026ء

یقین کی دولت نصیب ہے وہ عقلی طور پر موت کے مشتاق ہوتے ہیں، ان کی نظر قرب الہی اور لذت دیدار پر ہوتی ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے آنکھ میں نشتر لگوانا طبعی طور پر کسی کو بھی مرغوب اور گوارا نہیں ہو سکتا لیکن اس امید پر کہ آپریشن سے آنکھ میں روشنی آجائے گی، عقلی طور پر یہ عمل محبوب و مطلوب ہوتا ہے اور ڈاکٹر کو فیس دے کر آنکھ میں نشتر لگوا یا جاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ آپریشن کے نتیجے میں آنکھ کا روشن ہو جانا قطعی اور یقینی نہیں ہے، آپریشن ناکامیاب بھی ہو سکتا ہے، لیکن صاحب ایمان و یقین کے لیے اللہ تعالیٰ کے انعامات بالکل یقینی ہیں۔

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَتْنَتَانِ يَكْرَهُهُمَا ابْنُ آدَمَ : الْمَوْتُ، وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتْنَةِ، وَ يَكْرَهُ قِلَّةَ الْمَالِ، وَ قِلَّةَ الْمَالِ أَقْلٌ لِلْحَسَابِ)) (رواہ احمد)

”دو چیزیں ایسی ہیں جن کو آدمی ناپسند ہی کرتا ہے (حالانکہ ان میں اس کے لیے بڑی خیر ہوتی ہے)۔ ایک تو وہ موت کو پسند نہیں کرتا، حالانکہ موت مؤمن کے لیے فتنہ سے بہتر ہے، اور دوسرے وہ مال کی کمی اور ناداری کو نہیں پسند کرتا، حالانکہ مال کی کمی آخرت کے حساب کو بہت مختصر اور ہلکا کرنے والی ہے۔“

واقعہ یہی ہے کہ ہر آدمی موت سے اور ناداری و افلاس سے گھبراتا ہے اور ان سے بچنا چاہتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو صاحب ایمان کے لیے موت اس لحاظ سے بڑی نعمت ہے کہ وہ مرنے کے بعد دنیا کے دین سوز فتنوں سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے۔ مال و دولت کی کمی اس لحاظ سے بڑی نعمت ہے کہ ناداروں اور مفلسوں کو آخرت میں بہت مختصر حساب دینا ہوگا، اور وہ اس سخت مرحلہ سے بڑی جلدی اور آسانی سے فارغ ہو جائیں گے۔ جب انسان افلاس و ناداری کی مصیبت میں گرفتار ہو یا کسی عزیز کی موت کا صدمہ اس کو پہنچا ہو، تو اس وقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح کے ارشادات سے بڑی تسکین اور تسلی حاصل کر سکتا ہے۔

حضرت عمرو بن ميمون اودنی رضی اللہ عنہ (تابعی) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((اغْتَنِمْ خَسَنًا قَبْلَ خَسْسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، وَ صِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَ غِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَ فَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ، وَ حَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ)) (رواہ الترمذی)

”پانچ حالتوں کو دوسری پانچ حالتوں کے آنے سے پہلے غنیمت جانو (اور ان سے جو فائدہ اٹھانا چاہیے وہ اٹھا لو)۔ غنیمت جانو جوانی کو بڑھاپے کے آنے سے پہلے، اور غنیمت جانو تندرستی کو بیمار ہونے سے پہلے، اور غنیمت جانو خوش حالی اور فراخ دستی کو ناداری اور تنگ دستی سے پہلے، اور غنیمت جانو فرصت اور فراغت کو مشغولیت سے پہلے، اور غنیمت جانو زندگی کو موت آنے سے پہلے۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُفَرِّبُكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَ يُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إِلَّا قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ، وَلَيْسَ شَيْءٌ يُفَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَ يُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ، وَإِنَّ الرُّوحَ الْأَمِينِ [وَإِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ] نَفَثَ فِي رَوْعِي: أَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتَّى تَسْتَجِلَّ رِزْقَهَا، أَلَا فَاتَّقُوا اللَّهَ وَ أَجْعَلُوا فِي الطَّلَبِ، وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ أَنْ تَطْلُبُوهُ بِمَعَاصِي اللَّهِ، فَإِنَّهُ لَا يُدْرِكُ مَا عِنْدَ اللَّهِ إِلَّا بِطَاعَتِهِ)) (رواہ البغوی فی شرح السنة والبيهقي فی شعب الایمان)

”اے لوگو! نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو جنت سے تم کو قریب اور دوزخ سے تم کو بعید کرے مگر اس کا حکم میں تم کو دے چکا ہوں اور اسی طرح نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو دوزخ سے تم کو قریب اور جنت سے بعید کرے، مگر میں تم کو اس سے منع کر چکا ہوں (یعنی کوئی نیکی اور ثواب کی بات ایسی باقی نہیں رہی جس کی تعلیم میں نے تم کو نہ دے دی ہو، اور کوئی بدی اور گناہ کی بات ایسی نہیں رہی جس کی میں نے تم کو ممانعت نہ کر دی ہو، اس طرح اوامر و نواہی کی پوری تعلیم میں تم کو دے چکا ہوں اور اللہ کے تمام مثبت و منفی احکام جو مجھے ملے تھے وہ میں تم کو پہنچا چکا ہوں) اور الروح الامین نے — اور ایک روایت میں ہے کہ روح القدس نے (اور دونوں سے مراد جبریل امین ہیں) — ابھی میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے (یعنی اللہ کی طرف سے یہ وحی پہنچائی ہے) کہ کوئی تنقّس اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کر لے (یعنی ہر شخص کو اس کے مرنے سے پہلے اس کا مقدّر رزق ضرور بالضرور مل جاتا ہے، اور جب تک رزق پورا نہ ہو جائے اُس کو موت آ ہی نہیں سکتی ہے)۔ لہذا اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور تلاش رزق کے سلسلہ میں نیکی اور پرہیزگاری کا رویہ اختیار کرو، اور روزی میں کچھ تاخیر ہو جانا تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اللہ کی نافرمانیوں اور نامشروع طریقوں سے اس کے حاصل کرنے کی فکر و کوشش

کرنے لگو کیوں کہ جو کچھ اللہ کے قبضہ میں ہے وہ اس کی فرماں برداری اور اطاعت گزاری ہی کے ذریعہ اس سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔“

سورة الانعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقَاضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥١﴾﴾

”اور وہی تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس سے خبر رکھتا ہے، پھر تمہیں دن کو اٹھا دیتا ہے تاکہ (یہی سلسلہ جاری رکھ کر زندگی کی) معین مدت پوری کر دی جائے۔ پھر تم (سب) کو اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (اُس روز) وہ تم کو تمہارے عمل جو تم کرتے ہو (ایک ایک کر کے) بتائے گا۔“

سورة الزمر میں ارشاد ہے:

﴿أَنَّهُ يَتَوَفَّاكَ الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَاللَّيْلَ لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا ۖ فَيَهَيِّسُكَ الْيَقِظُ قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْخُزْيَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٥٢﴾﴾

”اللہ ہی روحوں کو اُن کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے اور اُن کو بھی جن کی موت ابھی نہیں آئی ہوتی اُن کی نیند میں (قبض کر لیتا ہے) پھر جس پر موت کا فیصلہ کر چکا ہوتا ہے اُسے روک لیتا ہے اور دوسری (روحوں) کو ایک مقررہ وقت تک واپس بھیج دیتا ہے۔ بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔“

موت کیا ہے؟

میری موت پر مجھ سے سب سے پہلے جو چھین لیا جائے گا وہ میرا نام ہوگا! اس لیے کہ جب میں مر جاؤں گا تو لوگ کہیں گے کہ ”میت“ کہاں ہے! مجھے میرے نام سے نہیں پکاریں گے۔ جب نماز جنازہ پڑھانا ہوگا تو کہیں گے ”جنازہ لے آؤ“۔ میرا نام نہیں لیں گے۔ جب میری تدفین کا وقت آجائے گا تو کہیں گے: ”میت کو قریب کرو“۔ میرا نام بھی یاد نہیں کریں گے! اس وقت نہ میرا نسب اور نہ ہی قبیلہ میرے کام آئے گا اور نہ ہی میرا منصب اور شہرت۔

ماہنامہ میثاق (45) اگست 2026ء

کتنی فانی اور دھوکے کی ہے یہ دنیا جس کی طرف ہم لپکتے ہیں۔
ہے یہاں سے تجھ کو جانا ایک دن
قبر میں ہو گا ٹھکانا ایک دن
منہ خدا کو ہے دکھانا ایک دن
اب نہ غفلت میں گنونا ایک دن!
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے!
(از: خواجہ عزیز الحسن مجذوب)

موت سے متعلق دعائیں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

((يَا بُنَيَّ إِنْ اشْتَطَعْتَ أَنْ تَكُونَ أَبَدًا عَلَىٰ وُضْوءٍ فَأَفْعَلْ، فَإِنَّ مَلَكَ الْمَوْتِ إِذَا قَبَضَ رُوحَ الْعَبْدِ وَهُوَ عَلَىٰ وُضْوءٍ كُتِبَ لَهُ شَهَادَةٌ))

(شعب الایمان: ۲۵۲۹)

”اے میرے بیٹے! اگر تم سے ہو سکے کہ ہمیشہ وضو کی حالت میں رہو تو ایسا کرو کیونکہ جب ملک الموت کسی بندے کی روح اس حال میں قبض کرتا ہے کہ وہ وضو کی حالت میں ہو تو اس کے لیے شہادت کا اجر لکھ دیا جاتا ہے۔“

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو بندہ پاکیزہ حالت میں سوتا ہے اس کے ساتھ ایک فرشتہ رہتا ہے اور رات بھر دعا کرتا رہتا ہے: اے اللہ! اس بندے کو بخش دے کیونکہ یہ پاکیزہ سویا ہے۔“

(روایت: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صحیح الترغیب: ۵۹۹)

(۱) رات کو سوتے وقت کی دعا:

((اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أُمُوتُ وَ أَحْيَا))

”اے اللہ! میں تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں اور زندہ ہوتا ہوں۔“

(۲) سوکر اٹھنے کے بعد کی دعائیں:

((الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ))

ماہنامہ میثاق (46) اگست 2026ء

”تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں موت (یعنی نیند) کے بعد دوبارہ زندہ کیا“
اور اسی کی طرف دوبارہ اٹھ کر جانا ہے۔“

((اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَنَا قَبْلَ الْمَوْتِ، وَارْحَمْنَا عِنْدَ الْمَوْتِ، وَلَا تُعَذِّبْنَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَلَا تُحَاسِبْنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ))
”یا اللہ! موت سے پہلے ہم کو معاف فرما“ اور موت کے وقت ہم پر رحم فرما“ اور موت کے بعد ہمیں عذاب نہ دینا“ اور قیامت کے دن ہم سے حساب نہ لینا“ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔“

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضَرِّ أَصَابِهِ، فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَلْيَقُلْ: اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتْ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي، وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتْ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي))

(رواہ البخاری و مسلم)

”تم میں سے کوئی کسی دکھ اور تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا (اور دعا) نہ کرے۔ اگر (اندر کے داعیہ سے) بالکل ہی لاچار ہو تو یوں دعا کرے: اے اللہ! میرے لیے جب تک زندگی بہتر ہو اس وقت تک مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے موت بہتر ہو اس وقت تو مجھے دنیا سے اٹھالے۔“

(۴) مدینہ منورہ میں وفات اور شہادت کی دعا:

((اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ، وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدٍ رَسُولُكَ ﷺ))

(صحیح البخاری، کتاب فضائل المدینہ، حدیث: ۱۸۹۰۰)

”اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا فرما“ اور میری موت اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں مقدر فرما۔“

یادِ موت کے لیے دس نکاتی عملی فارمولا

(۱) روزانہ احتساب (Self-Audit): رات کو بستر پر لیٹ کر یہ سوچیں: اگر آج

میری آخری رات ہو تو کیا میں اپنے رب کو منہ دکھانے کے قابل ہوں؟

(۲) جنازوں میں شرکت: جنازے کو محض ایک رسم نہ سمجھیں بلکہ یہ سوچیں کہ اگلی بار اس چارپائی پر میں خود بھی ہو سکتا ہوں۔

(۳) ناگہانی موت کے واقعات سے سبق: خبروں میں حادثاتی اموات کو دیکھ کر اپنی

مہلتِ عمل کی قدر کریں۔

(۴) قبرستان کی تنہائی: مہینے میں ایک بار خاموشی سے قبرستان جائیں اور وہاں کے مکینوں کی بے بسی پر غور کریں۔ بڑے بڑے نامور لوگ آج بے نام و نشان پڑے ہیں۔

(۵) مال سے بے رغبتی: اپنے پاس موجود قیمتی اشیاء کو دیکھ کر خود سے کہیں: ”یہ سب کچھ یہیں پر رہ جائے گا اور میں چلا جاؤں گا۔“

(۶) توبہ میں جلدی: کسی بھی گناہ کے بعد اس پر ندامت کو کل پر نہ ٹالیں، کیونکہ کل کی ضمانت کسی کے پاس نہیں ہے۔

(۷) بیماروں کی زیارت: ہسپتالوں کا چکر لگائیں تاکہ آپ کو اپنی صحت اور زندگی کی عارضی نوعیت کا احساس ہو۔

(۸) موت کا لٹریچر: ایسی کتابوں کا مطالعہ کریں جو آخرت کی منظر کشی کرتی ہوں تاکہ دل کی سختی ختم ہو۔

(۹) ذکرِ الہی کی کثرت: زبان پر اللہ کا ذکر جاری رکھیں، کیونکہ جس حال میں انسان جیتا ہے اسی حال میں اسے موت آتی ہے۔

(۱۰) بامقصد مصروفیت: اپنے وقت کو ان کاموں میں لگائیں جو مرنے کے بعد آپ کے لیے صدقہ جاریہ بن سکیں۔

خلاصہ کلام

موت کوئی حادثہ نہیں، یہ زندگی کا نقطہ کمال ہے۔ جو شخص اسے یاد رکھتا ہے وہ زندگی جیت جاتا ہے اور جو اسے بھلا دیتا ہے وہ جیتے جی مرجاتا ہے۔ اپنی لذتوں کو ڈھانے والی اس حقیقت کو اپنا رہبر بنالیں تاکہ ہماری ابدی زندگی سنور سکے۔

آئیے! دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موت کا ذائقہ ہمارے لیے خوش گوار بنادے۔ ہم اس دنیا سے ہنستے مسکراتے رخصت ہوں۔ ہماری موت راحت والی موت ہو۔ آمین یا رب العالمین!

میثاق، حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن

تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

بدلتی عالمی صورتِ حال اور پاکستان کے پیچیدہ داخلی مسائل

ایوب بیگ مرزا

امریکہ اسرائیل ایران جنگ میں امن معاہدے تو بہت ہوئے MOUs پر دستخط بھی امریکی نائب صدر جے ڈی وینس اور ایران کے سپیکر قالیباف نے کر دیے لیکن حقیقی امن ایک دن کے لیے بھی قائم نہ ہو سکا۔ عیاری یہ کی گئی کہ سیز فائر کی کسی بھی دستاویز پر اسرائیل کے دستخط حاصل نہ کیے گئے۔ اسرائیل لبنان پر مسلسل بمباری کر کے بے بس شہریوں کو شہید کر رہا ہے۔ ظاہر یہ کیا جاتا رہا کہ امریکہ تمام مذاکرات اور معاہدات میں اسرائیل کی نمائندگی کرتا ہے اور وہی اسے جنگ بندی پر مجبور کرے گا۔ اس حوالے سے امریکہ کی اسرائیل کو دھمکیاں اور فون پر ٹرمپ کی نینٹن یا ہو کو گالی گلوچ کا ذکر بھی میڈیا پر آتا ہے۔ راقم کا تاثر یہ ہے کہ یہ ڈراما بازی محض دنیا کو دکھانے کے لیے ہے، حقیقت میں دونوں متفق ہیں اور ان کا ایجنڈا ایک ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ریاست امریکہ اور اس کا صدر ٹرمپ اسرائیل کے آگے بے بس ہے۔ اسرائیل ہی ۲۸ فروری کو امریکہ کو کھینچ کر جنگ میں لایا تھا اب امریکہ اس دلدل میں پھنس چکا ہے اور اسرائیل اسے کسی صورت جنگ سے باہر نکلنے نہیں دے رہا۔

تاریخ کے اوراق اٹھائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۹۷ء کے پروٹوکولز نے یہودیوں کے بطن سے صہیونیوں کو جنم دیا، جن کا روڈ میپ واضح ہے۔ علامہ اقبال نے جو کہا تھا: ”فرنگ کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے“ تو یہ محض شعر و شاعری نہیں تھی بلکہ علامہ کی فکر انگیزی اور مستقبل کی دنیا پر ایک بے لاگ تبصرہ تھا۔ علامہ نے آنے والے وقت کے حوالے سے دنیا کو ایک آگاہی دی تھی۔ فرنگ کی رگ جاں پر قبضہ کا نتیجہ تھا کہ بالفور ڈیکلریشن ہوا۔ فطرت نے برطانیہ کو فوری سزا یہ دی کہ یہی صہیونی عالمی طاقت کے مرکز کو برطانیہ سے اٹھا کر امریکہ لے گئے۔ تاریخ کا باریک بینی سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عالمی طاقت کے مرکز کی امریکہ منتقلی ایک نتیجہ

تھی جبکہ اس کا سبب دو عالمی جنگیں تھیں جو صہیونیوں نے یورپ میں کروائی تھیں۔ حقیقت میں برطانیہ یہ دونوں جنگیں جیت کر بھی ہار گیا تھا اور صہیونی اپنے لیے کھلا میدان پالینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ یہ تو اب ایک کھلا راز ہے کہ ان دونوں جنگوں میں صہیونی سرمایہ دونوں طرف استعمال ہو رہا تھا اور وہ جنگ کی آگ میں ایندھن ڈال رہے تھے۔ یورپ کو کمزور کر کے وہ وہاں اپنے کنٹرول کو مضبوط کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ راقم چاہے گا کہ پہلے صہیونیوں کے مذکورہ روڈ میپ کی اپنے فہم کے مطابق نقاب کشائی کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسے صہیونیوں کی فطرت تو نہیں کہا جاسکتا البتہ ان کی جبلت ایسی ہے کہ وہ سازش سے باز رہ ہی نہیں سکتے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ سازش ان کے ڈی این اے میں ہے۔ اور تو اور انہوں نے اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا! بالآخر اللہ نے یہودیوں کو روڈ کر دیا اور وہ اُمتِ مسلمہ کے منصب سے معزول کر دیے گئے۔ البتہ کوئی غیر جانبدار تبصرہ نگار ان کے ذہین و فطین اور مخنتی ہونے سے انکار نہیں کر سکتا۔ ایک قوم کی حیثیت سے تاریخ میں ان پر عروج بھی آئے اور وہ زوال سے دو چار بھی ہوئے۔ اگر یہودیوں کی تاریخ کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہ بات بڑی آسانی اور کافی حد تک صحیح انداز میں اخذ کی جاسکتی ہے کہ وہ مسلسل ترقی اور کامیابی سے ہمکنار ہوتے رہتے ہیں لیکن ہر صدی میں ایک بار وہ بڑی طرح زوال اور شکست و ریخت سے دو چار ہوتے ہیں۔ ان کی مثال سانپ اور سیرھی کے کھیل کی مانند ہے۔ وہ تیزی سے سیرھی چڑھتے ہوئے منزل کے قریب پہنچتے ہیں کہ ڈسے جاتے ہیں اور دھڑام سے نیچے آگرتے ہیں۔ واللہ اعلم!

ان کی موجودہ سڑتیجی یہ ہے کہ امریکی عسکری قوت کو اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے بھرپور استعمال کرو۔ امریکی سرپرستی میں انہوں نے غزہ میں درندگی کی جو مثالیں قائم کیں، تاریخ میں اس کی نظیر کم ہی ملے گی۔ بہر حال وہ غزہ کے ۸۰ فیصد رقبہ پر قابض ہو چکے ہیں۔ بورڈ آف پیس کا وجود میں آنا ان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ بد قسمتی سے پاکستان بھی اس کا حصہ ہے۔ منصوبہ یہ دکھائی دیتا ہے کہ حالیہ جنگ میں امریکہ کی طاقت استعمال کرتے ہوئے پہلے ایران کو نیست و نابود کر دیا جائے (خدا نخواستہ)۔ پھر خلیجی ریاستوں پر چڑھائی کی جائے اور انہیں اس حد تک تباہ و برباد کر دیا جائے کہ وہ کسی موقع پر بھی اسرائیل کے راستے میں حائل نہ ہو سکیں۔ انہیں اپنی بقا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ماحول کا تحفظ

پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی

صنعتی انقلاب کے نتیجے میں روز افزوں متنوع صنعت گاہوں کے قیام اور نت نئے تیز رفتار ذرائع آمد و رفت کی مسلسل ایجادات نے گزشتہ کئی عشروں سے ماحول کے تحفظ کو عالمی توجہ کا موضوع بنا دیا ہے، کیوں کہ ماحول کی آلودگی انسانی صحت اور زندگی کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ بن چکی ہے۔ وہ زمین جس پر انسان رہتا اور بستا ہے اس کے بعض حصوں پر غلاتوں اور گندگی کا اتنا انبار ہے کہ انسانی زندگی اس کے تعفن سے اذیت میں مبتلا ہے۔ صنعتی ترقی کے لیے جنگلوں اور پیڑوں کے غیر متناسب استعمال بلکہ استحصال نے موسمی تغیرات کا رخ بدل دیا ہے۔ وہ ہوا جس میں ہم سانس لیتے ہیں صنعت گاہوں، کارخانوں اور کیمیاوی تجربہ گاہوں کے چھوڑے ہوئے فضلات اور بڑی چھوٹی موٹر گاڑیوں کی لمبی قطاروں کی کثافتوں سے اس حد تک زہر آلود ہو چکی ہے کہ انسان تنفس، پھیپھڑوں، جگر، قلب اور جلد کی ان گنت بیماریوں کا شکار ہو رہا ہے۔ جانور اور پرندے بھی اس سے متاثر ہو رہے ہیں اور نت نئی بیماریاں جغرافیائی حدود کو پار کر رہی ہیں۔

یہاں تک کہ اوزون پرت (Ozone layer) جو سورج کی شعاعوں کے مضر اثرات سے ہماری زمین کی فضا کی حفاظت کرتی ہے، اس میں سوراخ ہو رہا ہے اور انسانی زندگی کے لیے خطرات روز بروز بڑھ رہے ہیں۔ وہ پانی جسے انسان خود پیتا ہے اور اپنے مویشیوں کو پلاتا اور کھیتوں کو سیراب کرتا ہے، اس میں کیمیاوی مادوں اور زہریلے فضلات کی آمیزش اس قدر ہو رہی ہے کہ آبی حیات کے ساتھ ساتھ انسانی جسم و جان میں بھی زہریلے اثرات منتقل ہو رہے ہیں اور وہ مختلف قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہو رہا ہے۔ کسی صنعتی شہر میں دن گزار کر جب آپ گھر لوٹیں تو اپنے لباس اور جسم پر اور اپنے منہ اور ناک میں کثافتوں کی سیاہی واضح طور پر محسوس کر سکتے ہیں۔

قومی اور بین الاقوامی جنگلوں میں آتشیں ہتھیاروں کے بے دریغ استعمال کے علاوہ بڑے پیمانے پر کیمیاوی گیسوں، بارودی مواد اور لیزر شعاعوں کا استعمال بھی کیا جانے لگا ہے۔ یہ تباہ کن ہتھیار صرف اپنے نشانہ کو ہی برباد نہیں کرتے بلکہ ایک خاص فاصلے تک پائے جانے والے ہر جاندار اور مجموعی ماحول پر بھی انتہائی مضر اثرات مرتب کرتے ہیں، جو زمین کا منہ ختم کر کے اس میں زہر بھر دیتے ہیں اور درجہ حرارت بڑھا کر ماحول کا توازن بگاڑ دیتے ہیں۔

اس صورت حال میں حکومتوں، عالمی تنظیموں، رفاہی انجمنوں، علمی اور تحقیقاتی اداروں کی تشویش بجا اور برملا ہے۔ ہر طرف سے یہ مطالبہ ہو رہا ہے کہ ماحول کا تحفظ کیا جائے، صاف ستھری فضا کو برقرار رکھنے کے لیے آلودگی پر قابو پایا جائے۔ معروضی غفلت کی وجہ سے انسان کو کسی چیز کی حفاظت کا احساس عام طور پر اس وقت ہوتا ہے جب اس کے وجود اور صحت کو خطرہ لاحق ہو۔ آنکھ میں درد ہوتا ہے تو انسان آنکھ کی فکر کرتا ہے۔ ہاتھ پاؤں میں تکلیف ہوتی ہے تو انسان مالش اور معالج کی فکر کرتا ہے، ڈاکٹر سے رجوع کرتا ہے۔ غرض یہ کہ اصلاح کی فکر اس وقت ہوتی ہے جب فساد نظر آنے لگتا ہے۔ ماحولیات کی اصلاح اور پاکیزگی کی فکر بھی انسان کو اس وقت ہو رہی ہے جب ماحول میں فساد اور کثافت پھیل گئی ہے اور لوگ اس کی زہرناکی کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔

خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی ہمہ گیر سیرت

آج سے چودہ سو برس پہلے نہ تو موٹر گاڑیوں کا وجود تھا اور نہ دیوبیکل کارخانے وجود میں آئے تھے۔ نہ جنگلات فنا ہو رہے تھے اور نہ دریاؤں میں زہر گھل رہا تھا۔ ماحول میں آلودگی تو آج کی طرح رچی بسی ہی نہ تھی۔ چونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری رسول تھے جن کے بعد قیامت تک کوئی اور نبی یا رسول مبعوث ہونے والا نہیں تھا، اس لیے قیامت تک آنے والے تمام حالات و تحدیات (چیلنجز) میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ہدایت و رہنمائی کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے فراہمی ناگزیر تھی۔ ان ہدایات کے بغیر نہ دین مکمل ہوتا نہ ہر انسان کے لیے دین اسلام میں پورے کا پورا داخل ہونے کے فریضے کی ادائیگی ممکن ہوتی، جسے اللہ رب العزت نے ہر انسان کی دنیا و آخرت میں کامیابی کا معیار مقرر فرمایا تھا (البقرہ ۲: ۲۰۸)۔ اس لیے اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو ماحول کو کثافت سے پاک رکھنے اور فضا کو آلودگی

سے محفوظ رکھنے کی جامع تعلیم و تلقین فرمائی۔ اصولی ہدایات، مؤثر تعلیمات اور عملی اقدامات، تینوں طرح سے ماحول کی پاکیزگی کو یقینی بنایا۔ یہ کائنات انسانوں کے لیے خالق حقیقی کی صناعی کا خوب صورت تحفہ ہے اور اس کی تمام جاندار اور بے جان چیزیں انسانوں کے لیے رب العزت کی حسین نعمت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کائنات کی خوب صورتی اور تازگی کی حفاظت کی نہ صرف تعلیم دی بلکہ اسے فروغ دینے میں اپنی تمام تر قوت و صلاحیت لگانے کی ضرورت کا احساس دلایا۔ فطرت کے عطیات کو فطری قوانین کے مطابق برتنے کی تلقین فرمائی، تاکہ انسان خود بھی ماحول کی پاکیزگی سے لطف اندوز ہو سکے اور دوسرے جانداروں کو بھی راحت پہنچا سکے اور رب کریم کا شکر ادا کرے:

﴿مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُثَبِّتَ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (المائدہ)

”اللہ تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتا، لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک صاف کرے اور تم پر اپنی نعمت تمام کرے تاکہ تم شکر گزار بنو۔“

خالق کائنات کے عطیات کا ادراک

رسول اللہ ﷺ نے آسمان و زمین، سمندر، پہاڑ، حیوانات، نباتات، پرندے، جنگلات، باغات، وادیوں اور آبادیوں، سب کچھ کو خالق کائنات کے متوازن نظام کا شاہکار قرار دیتے ہوئے ان کی تخلیق پر غور کرنے، ان میں کارفرما رب العزت کی حکمتوں کو سمجھنے اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنے کی تعلیم فرمائی۔ آپ ﷺ نے انسانوں تک اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچایا:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَالاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلُكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ مِمَّا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ (البقرة)

”بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، رات اور دن کے ایک دوسرے کے بعد آنے جانے میں، ان کشتیوں میں جو انسانوں کی نفع رسانی کا سامان لیے سمندر میں چلتی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے اور اس کے ذریعے زمین کو زندہ کر دیتا ہے اور ہر طرح کی جاندار مخلوق کو زمین میں پھیلانے میں اور ہواؤں کی

گردش میں اور آسمانوں و زمین کے درمیان مسخر بادلوں میں عقل مند لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔“
قرآن حکیم کی اس آیت میں دس چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تعلق براہ راست ماحولیات سے ہے:

(۱) آسمان (۲) زمین

(۳) دن اور رات یعنی وقت (۴) جہاز رانی

(۵) سمندر کے سینے پر چلنے والے سفینوں میں انسانوں کی نفع رسانی

(۶) بارش (۷) زمین کی روئیدگی، کاشت کاری اور شجر کاری

(۸) حیوانات کی زندگی (۹) ہواؤں کی گردش

(۱۰) بادلوں کا فضا میں معلق ہونا

کثیر جہتی ماحولیاتی نظام کے اُن عجائبات اور انسان کے معاشرتی ماحول اور اس کی راحت رسانی کے ساتھ ان کے تعلق کو قرآن پاک میں بار بار مشاہدہ، مطالعہ اور سبق آموزی کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ اس آیت میں بھی ان حکمتوں کو سمجھنے اور ان سے استفادہ کرنے کی ضرورت کا احساس دلایا گیا ہے، کیوں کہ اس سے انسانی زیست کے ماحول کی تشکیل ہوتی ہے اور توازن برقرار رہتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اللہ رب العزت کا یہ سبق بھی انسانوں کو ذہن نشین کرایا ہے کہ کائنات کی ان ساری چیزوں کو خاص اہتمام، انداز، توازن اور اعتدال کے ساتھ بنایا اور سنوارا جانا با مقصد ہے۔ قرآن پاک میں متعدد مواقع پر کائنات کے نظم و توازن اور اللہ کے مقرر کردہ معیار و مقدار پر غور و فکر کو حق تک رسائی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ذَلِكُمُ اللَّهُ فَأَلَيْ تُوَفَّقُونَ﴾ (الاحزاب)
﴿وَجَعَلَ اللَّيْلُ سَكَنًا وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ حُسْبَانًا﴾ (الانعام)

”بے شک دانے اور گٹھلی کو (زمین میں) پھاڑنے والا اللہ ہے۔ وہی زندہ کو مرنے سے نکالتا ہے اور وہی مرنے کو زندہ سے نکالنے والا ہے۔ یہ اللہ کے کرشمے ہیں، تم کدھر بہکے جا رہے ہو؟ رات کے پردہ سے وہی دن نکالتا ہے اور اسی نے رات کو کوہ سکون بنایا

ہے اور شمس و قمر کی گردش مقرر کی ہے۔ یہ اسی غالب اور علم رکھنے والے اللہ کے ٹھیرائے ہوئے قوانین ہیں۔“

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ الَّذِي خَلَقَ فَسُوَّى ۝ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى ۝ وَالَّذِي

أَخْرَجَ الْمَوْعِیَّ ۝﴾ (الاعلیٰ)

”اپنے رب برتر کی تسبیح کرو جس نے پیدا کیا اور تناسب قائم کیا۔ جس نے اندازہ مقرر کیا اور راہ دکھائی، اور جس نے نباتات اُگا گئیں۔“

کائنات کا توازن نہ بگاڑیں

رب العزت نے جس طرح اپنی تخلیق میں تناسب، توازن اور اعتدال کا اہتمام رکھا ہے اس کا تاکیدی حکم ہے کہ بندے بھی اسی طرح اپنے عمل میں اعتدال و توازن رکھیں اور اللہ کے نظام تخلیق کا توازن نہ بگاڑیں۔ رب العزت کے مقرر کردہ اس توازن کی حکمت کو سمجھنا، اسے اپنی عملی سرگرمیوں کے لیے رہنما بنانا، اسے اپنی نفع رسانی سے جوڑنا، اس سے استفادہ کرنا، اس کا توازن برقرار رکھنا، اس میں خلل پیدا نہ کرنا، انسان کی ضرورت بھی ہے اور ذمہ داری بھی:

﴿الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ مُحْسَبَانِ ۝ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝ وَالسَّيَّاءُ رَفَعَهَا ۝ وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۝ وَالْأَرْضُ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ۝ فِيهَا فَاكِهَةٌ ۝ وَاللَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ۝ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ ۝ وَالزَّيْتُونُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝﴾

(الرحمن)

”سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں، اور تارے اور درخت سب سجدہ ریز ہیں۔ آسمان کو اسی نے بلند کیا اور توازن قائم فرمایا۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم میزان میں خلل نہ ڈالو، انصاف کے ساتھ ٹھیک ٹھیک تولو اور ترازو میں ڈنڈی نہ مارو۔ زمین کو اس نے سب مخلوقات کے لیے بنایا۔ اس میں ہر طرح کے پھل ہیں، کھجور کے درخت ہیں، جن کے پھل غلافوں میں ہیں، ہر طرح کے غلے ہیں جن میں بھوسا بھی ہے اور دانہ بھی۔ تو اے جن و انس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو بھول جاؤ گے؟“

آیت میں شمس و قمر کی گردش کا حساب، پیڑ پودوں کی شادابی، آسمان کی بلندی، زمین کی

تخلیق، غلے اور پھل پھول کی پیدائش جیسی نعمتوں کو انسان کے سپرد کرنے کے ساتھ یہ ہدایت کی گئی ہے کہ یہ سب کچھ قدرت کے ایک متوازن نظام اور معتدل انتظام کا حصہ ہیں۔ اس نظام میں خلل ڈالنے اور اس حُسن انتظام میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کرو۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے عطیات سے اگر اُسی کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق استفادہ کیا جائے تو یہ اصلاح ہے اور اگر ان اصولوں سے انحراف کیا جائے تو یہ فساد کا باعث ہے۔ رب العزت صرف عطیات ہی عطا نہیں کرتے بلکہ طریقہ استعمال کی ہدایات بھی دیتے ہیں۔ انسان ان عطیات سے مکاحقہ استفادہ صرف رب العزت کی ہدایات کے مطابق ہی کر سکتا ہے۔

ماحول کا فساد

قرآن مجید میں صاف اور صریح لفظوں میں تاکید کی گئی ہے کہ ماحول میں فساد نہ کرو: ﴿وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا﴾ (الاعراف: ۵۶) ”اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ کرو۔“ فساد اور اصلاح قرآن کریم کی دو اہم اور معنی خیز اصطلاحیں ہیں۔ اصلاح کے معنی اللہ کی تخلیق کردہ فطری ترتیب، نظام اور توازن کے ہیں، یعنی ہر چیز کو اپنی فطری جگہ پر قائم رکھنا، جبکہ فساد کے معنی اس فطری ترتیب اور توازن و نظم میں انتشار، خلل اور بگاڑ پیدا کرنا ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رب العزت نے کائنات میں ہر چیز اندازے، قرینے، اہتمام اور اعتدال کے ساتھ رکھی ہے۔ اس میں اپنی بے راہ روی اور بد اعمالی سے خلل نہ ڈالو، بگاڑ نہ پیدا کرو۔ اس کا استعمال اپنی خواہش کے مطابق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق کرو۔ ماحول کے اس نظم و توازن کا فائدہ خود انسانوں کو ہوگا اور اگر وہ اس میں بگاڑ پیدا کرے گا تو اس کے نقصانات اور مضراثرات بھی اسی کو بھگتنے پڑیں گے۔ اس طرح انسان اپنی تباہی کا آپ ہی ذمہ دار ہوگا۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (الروم)

”خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ اُن کو اُن کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے، شاید کہ وہ باز آجائیں۔“

فساد کا ایک عمومی مطلب تو یہ ہے کہ انسانوں نے اپنے باغیانہ خیالات، سرکشی اور باہم

تنازع و تصادم کر کے زمین میں فساد برپا کر لیا ہے۔ مگر اس آیت کا اہم مصداق ماحول بھی ہے جس کے لیے خاص طور پر زمین کے ساتھ بحر یعنی دریا و سمندر کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے، یعنی ماحول میں آلودگی فکر و خیال اور اعمال کی گندگی، بد اخلاقی اور کج روی کی وجہ سے بھی ہے اور رب العزت کے عطیات کے غلط استعمال اور استحصال اور ان میں انسانی کثافتوں کی آمیزش کی وجہ سے بھی ہے۔ ماحول کی آلودگی اسی وقت دُور ہو سکتی ہے کہ انسان اپنے فکر و عمل کا قبلہ درست کرے اور کائنات کے تعلق بارے اپنے رویے میں مثبت تبدیلی لائے۔

قرآن اور خاتم المرسلین ﷺ کی اس اصولی تعلیم کے ساتھ ماحولیات کے متعلق متعین ہدایات بھی انسانوں کو دریا و نبوت سے ملتی ہیں۔ ماقبل صنعتی عہد میں ماحول کی آلودگی ابتدائی اور سادہ شکل میں پائی جاتی تھی، مگر رسول اللہ ﷺ نے ماحول کی آلودگی بارے انسانی شعور کو بیدار کیا اور عملی اقدامات سے متعلق جامع اور واضح ہدایات فرمائیں۔ یہ ہدایات آج بھی ماحولیات کے تحفظ اور پاکیزگی کے لیے رہنما خطوط اور سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

گندگی نہ پھیلائیں

ماحول کے تحفظ کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا ایک بنیادی حکم یہ ہے کہ گندگی پھیلانے سے پرہیز کیا جائے، خاص طور پر پبلک مقامات کو اس سے بچایا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے سایہ دار درخت کے نیچے راستے میں اور مسجد میں گندگی پھیلانے سے منع فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”وَمَوْجِبُ لَعْنَتِ جِيزٍ مِنْكُمْ مَنْ فَرَّغَ مِنْ شَيْءٍ فَجَعَلَهُ فِي مَوْجِبِ لَعْنَتِ جِيزٍ“ صحابہؓ نے پوچھا: وہ موجب لعنت چیزیں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کے راستے میں اور سایہ میں غلاظت کی جائے۔“ (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب النهی عن الاستنجاء بالیمین)

پبلک مقام کی جامع شکل عہد نبویؐ میں مسجد تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مسجد میں تھوکنے سے بھی منع فرمایا۔ (سنن النسائی، کتاب المساجد، باب البصاق فی المسجد)

قربانی کے دنوں میں بڑی تعداد میں جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔ سماجی شعور کی کمی کی وجہ سے قربانی کے فضلات سڑکوں پر اور نالیوں میں بکھرے نظر آتے ہیں۔ گندگی پھیلتی ہے، بیماری بڑھتی ہے۔ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ قربانی کے فضلات کو دفن کر دیا جائے۔ اگر اس ہدایت پر

عمل درآمد ہو تو ماحول کی آلودگی سے بچا جاسکتا ہے۔ شریعت محمدی ﷺ نے ایسے ایندھن کے استعمال سے روکا ہے جس کا دھواں پڑوسی کے گھر میں جاتا ہو۔ فضائی آلودگی سے بچنے کے لیے یہ حکم ایک اصول اور کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے، جس کی روشنی میں آج کل کی گاڑیوں اور فیکٹریوں کے دھوئیں کو ضابطہ کا پابند بنایا جاسکتا ہے۔

پاکی اور صفائی کا اہتمام

رسول اللہ ﷺ کی ماحولیات کی تعلیم و تربیت کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ روح، جسم، لباس اور مکان کے ساتھ ماحول کی صفائی کا پورا اہتمام کیا جائے۔ مسلمانوں کی صفت یہ بتائی گئی کہ وہ صفائی کا خاص اہتمام کرنے والے ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں اہل قباء کی یوں تعریف کی گئی:

﴿فَيُورِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ﴾ (التوبة)

”اس (مسجد قباء) میں وہ لوگ ہیں جو پاکی اور صفائی کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور

اللہ پاک اور صاف لوگوں سے محبت کرتا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے صفائی کو ایمان کا حصہ قرار دیا اور فرمایا:

((الْطَّاهِفَةُ تَدْعُو إِلَى الْإِيمَانِ وَالْإِيمَانُ مَعَ صَاحِبِهِ فِي الْجَنَّةِ))

(معجم الاوسط للطبرانی، باب العين، باب الميم من اسمه محمد، حدیث: ۷۴۵۰)

”صفائی ایمان کی طرف لے جاتی ہے اور ایمان اپنے ساتھی کو جنت میں لے جاتا ہے۔“

ہر انسان جنت میں جانے کا آرزو مند ہے۔ ہر شخص جنت کی نعمتیں حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے ایمان و عمل سے تیاری کرتا ہے مگر رسول اللہ ﷺ کی اس انقلابی تعلیم پر غور کیجیے کہ اگر جنت میں گھر بنانا چاہتے ہو تو پہلے اپنے ماحول کو پاک صاف کر کے جنت نشان بناؤ تاکہ تم صحیح معنوں میں جنت کے حق دار بن سکو۔

قرآن و سنت کی اس صحت آفریں تعلیم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنے ماحول کو پاک و صاف رکھنے کی فکر کرے۔ اپنے محلہ اور بستی میں صفائی کی مہم چلائے اور گندگی جمع نہ ہونے دے۔ وہ یہ بھی دیکھے کہ کہیں اس کی بے توجہی جراثیم کے پھیلنے اور فضائی آلودگی کا سبب تو نہیں بن گئی ہے۔ اس کے گھر کے باہر ایسا کوڑا تو نہیں جمع رہتا ہے جو دوسروں کے لیے اذیت کا سبب

ہے۔ اگر ایسا ہے تو پہلی توجہ صفائی ستھرائی پر دینی چاہیے۔

استعمال کریں، اسراف نہیں

رسول اللہ ﷺ کی ماحولیاتی تعلیم کا تیسرا اہم پہلو بقدر ضرورت استعمال کا نظریہ ہے جسے conservation کہا جاتا ہے۔ دُنیا کی ہر چیز اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے استعمال کے لیے بنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے:

﴿وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِمَّا خَلَقَ﴾ (الحجۃ)

”اللہ نے آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں تمہارے (استعمال کے) لیے مسخر کر دی ہیں۔“

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذُلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ

وَالْيَهُ النَّشُورُ﴾ (الملک)

”وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو تابع بنایا، اس کی راہوں میں چلو اس کا دیا

ہو اور رزق کھاؤ اور اسی کی طرف تم کو اٹھایا جاتا ہے۔“

اللہ رب العزت نے اپنی نعمتیں انسان کو استعمال کے لیے دی ہیں مگر ان کا استعمال سلیقہ اور طریقہ سے ہونا چاہیے بقدر ضرورت ہونا چاہیے۔ نہ تو بلا ضرورت ہونا چاہیے اور نہ ضرورت سے زیادہ ہونا چاہیے۔ ماحول میں توازن برقرار رکھنے کے لیے استعمال نہ کہ اسراف۔ اسراف سے بچنے کی حکیمانہ تعلیم ایک خوب صورت تناظر میں اس طرح دی گئی ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا

أُكْلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوا مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ

وَاتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ۚ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ (الانعام)

”وہ اللہ ہی ہے جس نے طرح طرح کے باغ اور تانستان اور نخلستان پیدا کیے کھیتیاں

اُگائیں جن سے قسم قسم کے ماکولات حاصل ہوتے ہیں زیتون اور انار کے درخت پیدا

کیے جن کے پھل صورت میں مشابہ اور مزے میں مختلف ہوتے ہیں۔ کھاؤ ان کی

پیداوار جب کہ یہ پھلیں اور اللہ کا حق ادا کرو جب اُن کی فصل کاٹو اور استعمال میں حد

سے نہ گزرو کہ اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

قرآن کریم میں مزید واضح لفظوں میں تاکید کی گئی ہے کہ:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ (الاعراف)

”اور کھاؤ، پیو مگر اسراف (استعمال میں حد سے گزرنے) نہ کرو، کیوں کہ اللہ حد سے

گزرنے والوں سے محبت نہیں فرماتا۔“

”استعمال نہ کہ اسراف“ کے اس بنیادی اصول کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو ماحولیات میں

عدم توازن کا مسئلہ پیدا ہی نہ ہو۔ اس اصول کو موجودہ صورت حال میں مسلسل اپنانے سے

ماحولیاتی آلودگی اور عدم توازن کا مسئلہ ایک معقول مدت میں حل بھی ہو سکتا ہے۔ پانی، جنگلات،

حیوانات، پرندے، معدنیات، توانائی، قدرتی وسائل اور غور و نوش اور استعمال کی تمام ضروری

اشیاء میں بقدر ضرورت استعمال کا اصول تحفظ اور توازن کا ماحول پیدا کرے گا اور انسان جن

پریشانیوں میں مبتلا ہے ان سے نکلنے کا راستہ پاسکے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مخاطب حکومت،

ادارے، عوام، معاشرہ اور فرد سب ہیں جن کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس حکم کی تعمیل کریں۔

پانی کا تحفظ

پانی کو اللہ رب العزت کی عطا کردہ نعمتوں اور وسائل میں ایک بنیادی اور نہایت گراں

قدر اہمیت حاصل ہے۔ انسانی زندگی بہت حد تک پانی پر منحصر ہے۔ اس کے استعمال میں عدم

توازن اور اس میں آلودگی کی وجہ سے انسانی ماحول کو شدید خطرات کا سامنا ہے۔ قرآن کے

نقطہ نظر سے پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہی نہیں بلکہ زندگی کی بنیاد بھی ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ (الانبیاء: ۳۰)

”ہم نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے۔“

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِن مَّاءٍ﴾ (النور: ۴۵)

”اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے۔“

پانی کو اس کی فطری حالت پر باقی رکھنا اور اس کے استعمال میں سلیقہ کا لحاظ رکھنا

انسانوں کی ذمہ داری ہے تاکہ اس سے زندگی بخشنے والی صلاحیت ختم نہ ہو جائے۔ پانی میں

رہنے والے جاندار بھی زندہ رہ سکیں اور پانی استعمال کرنے والے انسان و حیوان اور نباتات بھی

زندگی پاسکیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے پاس سے گزرے۔ اس وقت وہ وضو کر رہے تھے اور ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ کیسی فضول خرچی ہے؟“ حضرت سعدؓ نے پوچھا: کیا وضو میں بھی فضول خرچی ہوتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ((نَعَمْ وَإِنْ كُنْتَ عَلَى نَهْرٍ جَارٍ)) ”ہاں اگرچہ تم بہتی نہر کے کنارے ہی کیوں نہ وضو کر رہے ہو۔“ (سنن ابن ماجہ، ابواب الطہارۃ، باب ماجاء فی القصد فی الوضوء)

خلاصہ یہ ہے کہ پانی کا استعمال بھی سلیقہ سے کیا جائے اور پانی کو آلودگی سے محفوظ بھی کیا جائے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی میں غلاظت اور کثافت پھیلانے سے بھی منع فرمایا ہے: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى أَنْ يُنَالَ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ، ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کیا جائے۔“ (صحیح المسلم، کتاب الطہارۃ، باب النہی عن البول فی الماء الراكد)

حیوانات: ماحول کی زینت

حیوانات انسان ہی کی طرح اللہ کی مخلوق اور ہمارے ماحول کا حصہ ہیں۔ یہ انسانوں کی ضرورت اور ماحول کی زینت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہماری خدمت اور نفع بخش استعمال کے لیے بنایا ہے۔ اس لیے ان کی نسلوں کا تحفظ اور ان کی دیکھ بھال کرنا انسانوں کی ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنْفَعٌ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرْجَوْنَ وَحِينَ تَسْلَحُونَ ۚ وَتَحْمِلُ أَوْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّكُمْ تَكُونُوا بِهِ عِلْفًا ۚ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ ۚ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَوْفٌ رَّحِيمٌ ۝ وَالْحَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝﴾ (النحل)

”اور جانوروں کو بھی اس نے پیدا کیا۔ ان میں تمہارے لیے پوشاک ہے اور بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔ جب شام کو انہیں جنگل سے لاتے ہو اور جب صبح کو چرانے لے جاتے ہو تو ان میں تمہاری خوب صورتی ہے۔ اور دُور دراز مقامات جہاں تم شدید محنت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے وہ تمہارے بوجھ کو اٹھا کر لے جاتے

ہیں۔ بے شک تمہارا رب شفیق و مہربان ہے۔ اور اُسی نے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کیے تاکہ تم ان کی سواری کرو، وہ تمہارے لیے زینت اور رونق بھی ہیں۔ اور وہ پیدا کرتا ہے جس کی تم کو خبر نہیں ہے۔“

یہ آیت واللہ لائف کنز رویش یعنی جنگلی حیات کے تحفظ کے لیے عظیم تحریک فراہم کرتی ہے۔ اس میں جانوروں کی تخلیق، ضرورت، مقصد اور ماحول کی ان سے زینت کے بہت سے گوشے روشن کر دیئے گئے ہیں۔ ایک ایسے معاشرے میں جس کی معیشت میں گلہ بانی مرکزی حیثیت رکھتی ہو جانوروں کا صبح کو گھر سے نکلنا، چراگاہوں میں جانا اور شام کو واپس آنا ایسا خوش نما منظر پیش کرتا ہے جو انسانوں کی خوشی کا ذریعہ ہے۔

بلا وجہ درخت نہ کاٹیں

پیڑ پودے، جنگلات اور باغات ماحول کو سازگار بنانے اور موسم کو معتدل رکھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ خوش گواری اور خوب صورتی پیدا کرتے ہیں۔ جن علاقوں میں پودے، درخت اور باغات کثرت سے پائے جاتے ہیں وہاں انسان راحت اور مسرت محسوس کرتا ہے اور جہاں پیڑ پودے نہیں ہوتے وہاں انسان گھٹن محسوس کرتا ہے۔ اسی لیے سیر و تفریح کے لیے انسان ایسے مقامات کا انتخاب کرتا ہے جہاں کے مناظر دیدہ زیب اور فضا خوش گوار ہو۔ چنانچہ ماحولیات کا تقاضا ہے کہ پیڑ پودے برباد نہ کیے جائیں، ورنہ موسمی بلائیں در آئیں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ بلا ضرورت درختوں کو نہ کاٹا جائے۔ ہرے پیڑ انسان اور حیوانات دونوں کی راحت رسانی کرتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ حدودِ حرم مکہ میں پیڑوں کا کاٹنا اور جانوروں کا مارنا ممنوع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو فرمایا: ”جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا تھا اسی طرح میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔ نہ تو یہاں پیڑوں کو کاٹا جائے اور نہ جانوروں کو ہلاک کیا جائے۔ ایندھن کی لکڑیاں اور جانوروں کا چارا اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ (نور الدین علی بن احمد السہبوی، وفاء الوفا بخبار المصطفیٰ، جلد 1، ص 111، پور بند گجرات)

جنگ میں بہت سی وہ چیزیں اختیار کی جاتی ہیں جو غیر اخلاقی اور غیر انسانی ہوتی ہیں تاکہ دشمن پر قابو پایا جاسکے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں بھی دشمن کے درختوں کو

بلا ضرورت کاٹنے سے منع فرمایا ہے۔

پیڑ پودے لگائیں

ماحول میں ہریالی موسم کی سازگاری اور انسانوں، جانوروں کی نفع رسانی کے لیے بہت ضروری ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے پیڑ پودوں کو لگانے کی اہمیت کا احساس دلایا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ غَرَسَ غَرْسًا فَأَكَلَ مِنْهُ إِنْسَانٌ أَوْ دَابَّةٌ، إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ))

(صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم - حدیث: ۵۶۷۳)

”جو مسلمان کوئی پیڑ لگاتا ہے یا کاشت کاری کرتا ہے اور اس پیڑ پودے سے انسان پرندے یا جانور کھاتے ہیں تو یہ پیڑ لگانے والے کے لیے صدقہ ہے۔“

شجر کاری کو رسول اللہ ﷺ نے اتنی اہمیت دی ہے کہ قیامت تک اس کام کو کرتے رہنے کی ہدایت فرمائی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنْ قَامَتِ السَّاعَةُ وَبَيَدِ أَحَدِكُمْ فَسِيلَةٌ فَإِنْ اشْتَطَاعَ أَنْ لَا يَقُومَ حَتَّى يَغْرُسَهَا فَلْيَفْعَلْ (احمد بن حنبل، المسند، جلد ۳، ص ۱۹۱)

”اگر قیامت کا وقت آجائے اور تم میں سے کسی شخص کے ہاتھ میں کھجور کا پودا ہو اور قیامت کے برپا ہونے سے پہلے وہ اسے لگا سکتا ہو تو اسے ضرور لگا دینا چاہیے۔“

شجر کاری کے ذریعے ماحول کا تحفظ کرنے کی اہمیت بارے اس سے بڑی بات نہیں کہی جاسکتی کہ قیامت برپا ہونے میں چند لمحات باقی ہوں تو بھی اگر انسان ایک درخت لگانے کی مہلت پائے تو اسے اس کو لگا دینا اس کی ذمہ داری ہے۔ جب کسی شخص کو اگلے لمحے دُنیا سے رخصت ہونے کا خیال آتا ہے تو وہ تعمیر و ترقی کے سارے کام بھول جاتا ہے اور بس اپنی نجات کے لیے فکر مند ہوتا ہے، مگر رسول اللہ ﷺ نے تعلیم دی کہ مرتے وقت تک ماحول کو بہتر بنانے کی کوشش کرنا بھی آخرت میں سرخرو ہونے کا ذریعہ ہے۔ یہ انقلابی تعلیم آخری رسول ﷺ ہی سے انسانیت کو مل سکتی ہے۔

عملی مثال

رسول اللہ ﷺ نے دُنیا کے عام قائدین کی طرح محض لوگوں کو زبانی تعلیم ہی نہیں دیتے بلکہ

ماہنامہ میثاق (71) اگست 2026ء

آپ ﷺ کی خصوصیت یہ ہے کہ جو کچھ فرماتے ہیں، خود اس کی صداقت پر عمل کر کے دکھاتے ہیں۔ چنانچہ ہم متعدد مواقع پر دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھوں سے پیڑ لگاتے ہیں اور وہ پیڑ برگ و بار بھی لاتا ہے۔

مدینہ سے کوئی ۲۰ میل کی دُوری پر وادی عقیق ہے۔ وہاں رسول اللہ ﷺ نے گھوڑوں کے لیے ایک چراگاہ بنائی جسے حمی النقیع کہا جاتا ہے۔ اس میں آپ ﷺ نے پیڑ پودے لگوائے، سبزیاں لگوائیں۔ کچھ عرصہ بعد اس وادی میں اتنی ہریالی ہو گئی کہ گھوڑے پر سوار ہو کر انسان ان پیڑوں کی چھاؤں میں غائب ہو سکتا تھا۔ اس ہریالی کے باعث یہ صرف گھوڑوں کی چراگاہ نہ رہی بلکہ انسانوں کی سیرگاہ بھی بن گئی۔ اس سیرگاہ کی حدود رسول اللہ ﷺ نے اس طرح مقرر فرمائی کہ ایک شخص کو کھجور کے پیڑ پر چڑھ کر بلند آواز لگانے کو کہا۔ آواز کی گونج جہاں تک سنائی دی، وہاں تک اس کی حدود مقرر ہوئیں۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ علمی اور عملی مثالیں ماحولیات کے تحفظ کے سلسلے میں آج کے دانش مندوں، رفاہی اداروں اور ماہرین علوم کے لیے بصیرت اور ہمیز کا کام دیتی ہیں۔

ذمہ داری اور جواب دہی

رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کا سب سے اہم حصہ یہ ہے کہ انسان کے اندر ذمہ داری اور جواب دہی کا احساس پیدا کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے نفع بخش چیزوں اور ماحول کی ساری نعمتوں کو ذمہ داری کے ساتھ استعمال کرنے کی تلقین فرمائی ہے جسے اگر پورا نہ کیا گیا تو دُنیا میں چاہے حکومت اور معاشرہ باز پرس نہ کرے مگر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے حضور ضرور جواب دینا ہوگا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ لَتَسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۝﴾ (التكاثر)

”روز قیامت ان نعمتوں کے بارے میں تم سے ضرور سوال کیا جائے گا۔“

ضرورت اس بات کی ہے کہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی بقدر ضرورت استعمال کے اصول پر عمل پیرا ہو کر مکمل حفاظت کی جائے اور اسراف، فساد اور بگاڑ سے بچا جائے۔

(تشکر: ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن، جولائی ۲۰۲۵ء)



ماہنامہ میثاق (72) اگست 2026ء

۱) اقامتِ دین کی فرضیت

”اقامتِ دین کا حکم اور ذمہ داری“ از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔ اس کی بنیاد سورۃ

الشوریٰ کی آیت ۱۳ ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَضَىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَضَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾

”اُس (اللہ) نے آپ کے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا، اور جسے (اے نبی ﷺ!) اب آپ کی طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے، اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں، اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔“

یہ آیت دین اور اس کے مقصود کو ذہن نشین کرنے کے لیے بڑی اہم ہے، اس لیے اس کو سمجھنا ضروری ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ (مقرر کیا تمہارے لیے) کے لغوی معنی راستہ بنانے کے ہیں اور اصطلاح میں اس کا مفہوم طریقہ، ضابطہ اور قاعدہ مقرر کرنا ہے۔ عربی میں اسی اصطلاحی معنی کے لحاظ سے تشریع کا لفظ قانون سازی کا، شرع اور شریعت کا لفظ قانون کا اور شارع کا لفظ واضع قانون کا اہم معنی سمجھا جاتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہی کائنات کا مالک، انسان کا حقیقی ولی اور اس روئے ارضی کا حاکم ہے، اس لیے اُسی کا حق بنتا ہے کہ وہ انسان کے لیے قانون و ضابطہ بنائے۔

مِنَ الدِّينِ (از قسم دین) اور شاہ ولی اللہؒ کے بقول ”از قسم آئین“۔ یعنی خدائی تشریع کی نوعیت آئین کی ہے۔ لفظ دین کا مفہوم کسی کی حاکمیت کو تسلیم کر کے اس کی اطاعت کرنا ہے۔ ”طریقہ“ کے معنی میں اس سے مراد وہ طریقہ ہوتا ہے جسے بندہ واجب الاتباع اور اس کے بنانے والے کو مطاع مانے۔ گویا اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا طریقہ اس کے بندوں کے لیے واجب الاطاعت قانون ہے اور اس کا انکار کرنا اللہ کی بندگی کا انکار کرنا ہے۔

اس سے آگے فرمانِ الہی ہے کہ یہ طریقہ دین وہی ہے جس کی ہدایت حضراتِ نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دی گئی اور اب اسی کی ہدایت حضرت محمد ﷺ کو دی گئی ہے۔ آیت کے اس

ماہنامہ میثاق (74) اگست 2026ء

تصورِ اقامتِ دین

محمد رضی الاسلام ندوی اور محمد اسعد فلاحی کی کتاب کا تجزیاتی مطالعہ

حافظ قاسم رضوان

اُمتِ مسلمہ کا کوئی فرد ہو یا تحریک، اسلامی نقطہ نظر سے اس کے نصب العین کی وضاحت قرآن مجید نے مختلف اصطلاحات اقامتِ دین، قیامِ عدل و قسط، دعوتِ دین، شہادتِ حق، امر بالمعروف و نہی عن المنکر وغیرہ سے کی ہے۔ اس دور میں یہ عظیم نصب العین طرح طرح کے مغالطوں اور افراط و تفریط پر مبنی مختلف نقطہ ہائے نظر کی زد میں ہے:

- (۱) بعض مسلمان مفکرین اس کی مشروعیت ہی کے منکر ہیں۔
- (۲) اسلام کے معترضین اس سوچ کو انتہا پسند سیاسی فکر قرار دیتے ہیں۔
- (۳) بعض مسلمان گروہوں میں فکری شدت پسندی ہے، جو اس نصب العین کی غلط تعبیر و تشریح کر کے اس بارے میں غلط فہمیوں کا ذریعہ بنتی ہے۔
- (۴) عوام کی ایک کثیر تعداد کے نزدیک یہ مقصد محض ایک جذباتی نعرہ ہے۔ وہ نہ اس کے عملی تقاضوں کو سمجھتے ہیں اور نہ ہی مختلف مراحل میں مطلوبہ جدوجہد کی حکمت عملی کا ان کو فہم ہے۔

زیر مطالعہ کتاب ان چاروں پہلوؤں سے اس عظیم الشان نصب العین پر روشنی ڈالتی ہے۔ یہ اس مقصد کی مشروعیت کو کتاب و سنت کے واضح دلائل سے ثابت کرتی ہے اور اس پر ہونے والے اعتراضات کے معقول جوابات بھی دیتی ہے۔ نیز اس کے مطالعہ سے اقامتِ دین کی مطلوبہ حکمت عملی، عملی تقاضے اور مرحلے بھی واضح ہوتے ہیں۔

کتاب کے تین ابواب ہیں۔

ماہنامہ میثاق (73) اگست 2026ء

حصے سے کئی نکات سامنے آتے ہیں۔ پہلا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس دین اور تشریع کو ہر انسان کے پاس نہیں بھیجا بلکہ اپنے وقت مقررہ کے مطابق کسی شخص کو اپنا نبی مقرر کر کے اس کی طرف یہ دین بھیجا۔ دوسرے یہ دین اور تشریع شروع سے ہی یکساں رہے ہیں۔ تیسرے، خدائے بزرگ و برتر کی حاکمیت اعلیٰ ماننے کے ساتھ ان لوگوں کی نبوت و رسالت کا ماننا بھی لازم ہے جن کے ذریعے یہ دین بھیجا گیا اور اس وجہ پر بھی یقین رکھنا ضروری ہے جس کے ذریعے یہ دین اور تشریع بیان کیے گئے۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ (کہ قائم رکھو دین کو)۔ اقامت کا معنی قائم کرنا بھی ہے اور قائم رکھنا بھی۔ انبیاء و رسل ﷺ کے ذمے یہ دونوں کام تھے۔ پہلا یہ کہ جہاں یہ دین قائم نہیں، اسے قائم کریں اور دوسرا یہ کہ جہاں یہ دین قائم ہو جائے یا پہلے سے قائم ہو، اسے قائم رکھیں۔ اب دو اہم سوال ہیں: دین کو قائم کرنے سے کیا مراد ہے؟ اس دین سے کیا مراد ہے جس کے قائم کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے؟

قائم کرنے کا لفظ جب کسی مادی یا جسمانی چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد بیٹھے کو اٹھانا یا کھڑا کرنا وغیرہ ہوتا ہے۔ البتہ جو چیزیں مادی نہیں بلکہ معنوی ہوتی ہیں، ان کے لیے قائم کرنے سے مراد محض تبلیغ کرنا نہیں بلکہ اس پر مکمل عمل کرنا، اسے پھیلانا اور اسے عملاً نافذ کرنا ہوتا ہے۔ جب قرآن مجید میں یہ حکم دیا جاتا ہے کہ نماز قائم کرو تو اس سے مراد نماز کی محض دعوت و تبلیغ نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ نماز کو نہ صرف خود ادا کیا جائے بلکہ ایسا نظام رائج ہو کہ تمام اہل ایمان نماز پڑھیں۔ نبیوں اور رسولوں کو جب دین قائم کرنے اور قائم رکھنے کا حکم دیا گیا تو اس سے مراد صرف یہ نہ تھی کہ وہ خود اس دین پر عمل کریں، دوسروں کو بس اس کی تبلیغ کریں اور وہ دین کا برحق ہونا تسلیم کر لیں، بلکہ پوری ذمہ داری یہ تھی کہ جب لوگ اسے تسلیم کر لیں تو آگے بڑھ کر مکمل دین کا نفاذ کیا جائے۔

اب دوسرے سوال کو دیکھیں! کچھ لوگوں نے غور کیا کہ دین کو قائم کرنے کا جو حکم دیا جا رہا ہے، وہ تمام انبیاء و رسل ﷺ کے درمیان مشترک ہے جبکہ شریعتیں ان سب کی مختلف رہی ہیں، جیسے کہ سورۃ المائدۃ میں ارشادِ ربانی ہے: ﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَا جَآءُ﴾ (آیت ۴۸) ”ہم نے تم میں سے ہر امت کے لیے ایک شریعت اور ایک راہ مقرر کر دی۔“ اس ماہنامہ میثاق (75) اگست 2026ء

سے وہ لوگ اس رائے پر قائم ہوئے کہ اس دین سے مراد شرعی احکام و ضوابط نہیں، بلکہ صرف توحید و آخرت اور کتاب و نبوت کا یقین اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے یا پھر زیادہ سے زیادہ وہ بڑے بڑے اخلاقی اصول اس میں شامل ہیں جو سب شریعتوں میں مشترک رہے۔ یہ ایک بڑی سطحی سی لیکن خطرناک رائے ہے، کیونکہ جب شریعت دین سے الگ چیز ہے اور حکم صرف دین کو قائم کرنے کا ہے نہ کہ شریعت کو، تو پھر اس رائے کے حامل مسلمان شریعت اور اس کی اقامت کو غیر مقصود سمجھ کر نظر انداز کر دیں گے اور صرف ایمانیات اور اہم اخلاقی اصولوں کو ہی مقصود بالذات سمجھ بیٹھیں گے۔ جب کہ قرآن کریم کا حکم تو یہ ہے:

﴿وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقِيَمَةِ ۝۵﴾ (البینۃ)

”اور ان کو حکم نہیں دیا گیا مگر اس بات کا کہ ایک سو ہو کر اللہ کے لیے خالص کرتے ہوئے اُس کی عبادت کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی راست رولت کا دین ہے۔“ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ اس دین میں شامل ہیں حالانکہ ان کے احکام مختلف شریعتوں میں مختلف رہے۔ اختلافِ شرائع کے باوجود اللہ کے ہاں ان دونوں کا شمار دین میں ہے۔

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنََ الْحَقِّ﴾ (التوبۃ: ۲۹)

”جنگ کرو ان لوگوں سے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام کیا ہے اسے حرام نہیں کرتے (سمجھتے) اور دینِ حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔“ اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے کے ساتھ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے حلال و حرام کے احکامات کو ماننا اور ان پر عمل پیرا ہونا بھی دین کا حصہ ہے۔ دیگر شرعی احکامات جن کی خلاف ورزی پر اللہ کے عذاب اور جہنم میں داخلگی کی وعید سنائی گئی ہے، ان کا شمار بھی لازمی طور پر دین میں ہی ہونا چاہیے۔ اگر دین الٰہی نیک اعمال پر جنت کے داخلے اور برے اعمال پر نارِ جہنم اور عذابِ خداوندی سے بچانے کے لیے نہیں آیا تو پھر آخر کس چیز اور کام کے لیے آیا ہے؟

یہ ساری غلط فہمی اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ آیت قرآنی ﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً﴾ ماہنامہ میثاق (76) اگست 2026ء

وَمِنْهَا جَاءُ ﴿﴾ کا غلط مطلب لے کر یہ معنی پہنا دیے گئے ہیں کہ شریعت چونکہ ہر اُمت کے لیے الگ تھی اور حکم تو اس دین کے قائم کرنے کا دیا گیا ہے جو تمام انبیاء و رسل ﷺ کے درمیان مشترک تھا۔ اس کے نتیجے میں ”اقامتِ دین“ کے حکم میں ”اقامتِ شریعت“ شامل ہی نہیں ہے۔ اگر سورة المائدة میں اس آیت کے سیاق و سباق کو آیت ۴۱ سے آیت ۵۰ تک پوری یکسوئی سے پڑھا جائے تو پتہ چلے گا کہ جس نبی یا رسول کی اُمت کو جو شریعت بھی اللہ تعالیٰ نے دی تھی وہ اس اُمت کے لیے دین بھی اور اُس دور میں اسی کی اقامت مطلوب تھی۔ اب چونکہ حضور اقدس ﷺ کا دور رسالت ہے اس لیے اُمتِ محمدیہ کو جو شریعت دی گئی ہے وہی اس دور کا دین ہے اور اس کا قائم کرنا ہی گویا دین کا قائم کرنا ہے۔ شریعتوں کے اختلاف کا بھی معنی یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کی بھیجی ہوئی شریعتیں باہم متضاد تھیں بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی جزئیات میں متعلقہ حالات کے حوالے سے فرق اور اختلاف رہا ہے۔

اقامتِ دین کا مکمل کام غلبہٴ دین کے بغیر محال ہے اور یہ فریضہ بھی اُمتِ مسلمہ کے ذمے ہے۔ نزولِ قرآن کا ایک مقصد یہ بھی ہے: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بِهِنَ النَّاسِ بِمَا أَرَادَ اللَّهُ﴾ (النساء: ۱۰۵) ”ہم نے (اے نبی ﷺ!) یہ کتاب حق کے ساتھ آپ کے اوپر نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اس روشنی میں جو اللہ نے آپ کو دکھائی ہے۔“ دراصل قرآن مجید کے بہت سے احکامات اور دین اسلام کے ایک بڑے حصے پر اسی صورتِ عمل پیرا ہوا جاسکتا ہے جبکہ اہل ایمان کی ریاست اور حکومت قائم ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اقامتِ دین کا حکم دینے کے بعد آخری بات متذکرہ بالا آیت میں فرمائی ہے: ﴿وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی دین میں اپنی طرف سے کوئی ایسی جداگانہ اور زالی بات نکال لے جس کی قرآن و حدیث کی روشنی میں کوئی گنجائش نہ ہو۔ یہ باتیں کئی طرح کی ہو سکتی ہیں۔ جیسے کہ دین میں جو بات تھی ہی نہیں وہ اس میں شامل کر دی جائے یا پھر جو بات دین میں شامل تھی اسے باہر نکال دیا جائے۔ دین کی بنیادی باتوں میں باطل تاویلات کی جائیں۔ سورة الشوریٰ کی آیت ۱۳ میں اَنَّ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ كَمَا وَكَلْنَا اَيَّاهُ اس کے مستند اجماع کی روشنی میں ”دین قائم کرو“ کا ترجمہ بالکل درست ہوگا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ صرف دین قائم کر دینا ہی فرض نہیں بلکہ اس کو قائم رکھنا بھی لازم ہے۔ یہ بات تو دائرہٴ عقل سے باہر ہے کہ ”دین ماہنامہ میثاق (77) اگست 2026ء

قائم کرو“ کا حکم دیے بغیر ذاتِ خداوندی ”دین قائم رکھو“ کا حکم کیسے دے سکتی ہے!

کیا دین سے مراد صرف ”ایمانیات“ ہیں؟ قدیم و جدید مفسرین نے اس لفظ کا اطلاق صرف ایمانیات پر کیا ہے جن میں تمام شریعتوں کا اتحاد ہے دیگر اختلافی چیزوں کو شامل نہیں کیا گیا۔ اس سوال کے جواب میں مختلف مفسرین کے حوالے سے یہ وضاحت کی گئی ہے کہ جمہور مفسرین نے دین کے مفہوم میں توحید اور ایمانیات کے ساتھ اطاعتِ الہی کو بھی شامل کیا ہے اور اس کا اطلاق ان تمام اعمال پر کیا ہے جس کی انجام دہی بطور مسلمان لازم ہے۔

کیا دین اور شریعت کے درمیان کوئی تعلق ہے؟ کیا دین پر عمل ایک چیز ہے اور شریعت پر عمل کوئی دوسری چیز؟ کیا شریعت پر عمل دین پر عمل کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا؟ جواب یہ ہے کہ ہر اُمت ان ”فروعِ دین“ پر عمل کی پابند ہے جس کا اسے مکلف کیا گیا ہے۔ یعنی ہر اُمت پر اپنی شریعت کی پابندی لازم ہے۔ اگر وہ اپنی شریعت پر عمل کرتی ہے تو گویا وہ اپنے دین پر عمل کر رہی ہے۔ اسی بنا پر بعض مفسرین نے یہ وضاحت کی ہے کہ سورة الشوریٰ کی آیت ۱۳ میں اقامتِ دین کے حکم کا مطلب دین اسلام کے سب اصول اور فروع پر عمل کرنا ہے۔

(۲) اقامتِ دین: تقاضے، طریق کار، حکمتِ عملی

اس باب سے ایک اہم مضمون ”اقامتِ دین اور اس کے عملی تقاضے“ از پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد کا خلاصہ ملاحظہ کریں۔

اکثر ایک سوال سامنے آتا ہے کہ: اقامتِ دین کی اصطلاح کہاں سے آگئی؟ یہی بنیادی انتشارِ فکر ہے جو آگے چل کر یہ سمجھانے پر نکل جاتا ہے کہ نہ صرف مذہب اور سیاسی سرگرمی دو علیحدہ چیزیں ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر روحانیت و للہیت اور معاشرتی و سیاسی تنگ و دو اور کاوشیں دو بالکل مختلف بلکہ متضاد چیزیں ہیں۔ ایسے افراد کے نزدیک صحیح مذہبیت اور روحانیت یہ ہو سکتی ہے کہ انسان ریاستی اور خاندانی جھیلیوں سے بچ کر ہی رہے اور تقویٰ کا دامن پکڑ کر اپنے رب سے لو لگائے رکھے۔ جب کہ اقامتِ دین کا حکم تو ہمیں قرآن مجید نے دیا ہے۔ اُمتِ مسلمہ کو یہ ذمہ داری دیتے ہوئے سورة البقرة میں یہ وضاحت بھی کر دی گئی: ﴿لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (آیت ۲۸۶) ”اللہ تعالیٰ کسی جان کو اُس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔“ اس سے ہمیں یہ راہنمائی بھی ملتی ہے کہ اگر مسلمان کسی ایسے ملک میں رہ رہے ہوں جہاں مذہبی ماہنامہ میثاق (78) اگست 2026ء

آزادی کے اصول پر وہ دین کی دعوت تو پیش کر سکتے ہوں لیکن تبدیلی اقتدار ان کے اختیار میں نہ ہو، تو پھر اقامت دین کے حوالے سے ان کی ذمہ داری اور اخروی جواب دہی اس حد تک ہی ہوگی جس حد تک انہیں کوشش اور عمل کی آزادی ہے۔ البتہ اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہوگا کہ وہ دین اسلام کو صرف انفرادی زندگی تک محدود کر کے اسے ایک روحانی مذہب بنا دیں۔

اقامت دین کا مفہوم ہی تمام جھوٹے خداؤں اور حاکموں کی جگہ صرف اللہ وحدہ لا شریک کی حاکمیت قائم کرنا ہے۔ سورۃ الحج میں اہل ایمان کی تعریف یوں کی گئی ہے:

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَإِنَّهُمْ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾

”یہ لوگ ہیں جنہیں ہم اگر زمین میں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔ اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔“

سورۃ المائدہ میں فرمایا گیا:

﴿وَمَنْ لَّمْ يُجِزْكُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝۳۳.....

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝۳۴..... فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝۳۵﴾

”اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ فرمان اور قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، پس وہی کافر ہیں..... وہی ظالم ہیں..... وہی فاسق ہیں۔“

اقامت دین کے پہلے مرحلے میں شعوری طور پر اسلام لانا، توحید خالص کا ذہن میں بٹھانا، نیز اپنے افکار و نظریات کی پاکیزگی اور صفائی شامل ہے۔ یہ مرحلہ طویل ہے، کچھ برسوں کی بات نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ پوری منصوبہ بندی کے ساتھ تطہیر افکار کا فریضہ وہ لوگ سرانجام دیں جو نہ صرف پورے تحریکی ادب بلکہ قرآن و حدیث اور سیرت طیبہ سے براہ راست واقف ہوں۔ اپنی دعوت کو موثر انداز میں پیش کر سکیں اور ان کی اپنی سیرت بھی ان کی دعوت کا پورا عکس ہو۔

دوسرے مرحلے میں اپنے خطے کے زمینی حقائق کے مطابق اقامت دین کے لیے تحریکی حکمت عملی بنانی پڑے گی۔ اصلاح کا آغاز جب تک اپنے آپ اور اپنے گھر سے نہیں شروع ہوگا، بات نہیں بنے گی۔ اسلامی گھرانہ اور اسلامی معاشرت کا آغاز ہمیں گھر سے کرنا پڑے گا اور پھر یہ

ماہنامہ میثاق (79) اگست 2026ء

آگے خاندان اور معاشرے تک پھیلتا چلا جائے گا۔ اس محنت کے نتیجے میں جو صالح افراد کا مجموعہ سامنے آئے گا، اسے ترجیحات کے مطابق مختلف سرگرمیوں مثلاً حلقہ ہائے درس قرآن، اسلامی مطالعہ مراکز، مختلف اسلامی عنوانات پر مذاکرے، دعوتی ملاقاتوں اور مختلف معاشرتی و فلاحی خدمات میں جوڑنے کا سلسلہ اور ساتھ ہی خود احتسابی کا نظم بھی قائم کرنا ہوگا۔ جہاں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، وہاں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں وہ اتنی سعی و جہد کے بہر حال مکلف ہیں، جتنی ان کے دائرہ اختیار میں ہو۔

(۳) اقامت دین پر اعتراضات کا جائزہ

اس باب سے ایک اہم مضمون ”اقامت و اعلائے دین کے تصور پر اعتراضات کا جائزہ“ از مولانا گوہر رحمن کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

جاوید احمد غامدی کا اپنی کتاب ”برہان“ میں یہ نقطہ نظر ہے کہ اقامت دین دینی فریضہ نہیں ہے اور اعلائے دین کی آیات کا تعلق بس سرزمین عرب کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ اس کا حکم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہی خاص ہے۔ اب قیامت تک کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان آیات کا تعلق اپنی جد و جہد کے ساتھ قائم کرے۔

اقامت دین کے مفہوم میں ”دین کو قائم رکھو“ کے علاوہ ”دین کو قائم کرو“ دین کو نافذ کرو، دین کو جاری کرو، بھی آسکتا ہے۔ جاوید احمد غامدی کا کہنا ہے کہ ”نافذ کرو“ کے معنی نکل سکتے تھے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اولاً قواعد عربی کی رو سے علی فلان یا علی الناس کی صورت میں ایک متعلق کا موجود یا مقدر ہونا ضروری ہے، جو نہ آیت میں موجود ہے اور نہ مقدر ماننے کے لیے کوئی قرینہ پایا جاتا ہے۔ ثانیاً یہ معنی ”لَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ“ کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے۔

”اس میں اختلاف و تفرقہ نہ ڈالو“ کے ساتھ تو مناسبت دونوں ترجموں کی صورت میں نکل سکتی ہے۔ دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو، بلکہ سب اس پر مجتمع ہوں یا دین کو قائم کرو، جاری کرو، اس میں تفرقہ نہ ڈالو، بلکہ سب اس پر مجتمع و متحد رہو، دونوں صورتوں میں کوئی بھی بے ربطی اور عدم مناسبت محسوس نہیں ہوتی۔ نافذ کرنے کا تقاضا بھی یہ ہے کہ تفرقہ نہ ڈالا جائے اور قائم و دائم رکھنے کا تقاضا بھی یہی ہے کہ تفرقہ میں نہ پڑا جائے۔ متعلق کے موجود نہ ہونے کی دلیل اگرچہ بظاہر درست ہے، لیکن عین ممکن ہے کہ سیاق و سباق کے لحاظ سے یہاں علی انفسکم و علی

ماہنامہ میثاق (80) اگست 2026ء

أَمْحُكُم مَّقْدَرٌ هُوَ لِيَعْنِي اس دین کو اپنے اوپر بھی اور اپنی اُمتوں پر بھی نافذ اور جاری کرو۔

باقی رہا قرینہ کا سوال، تو سیاق کلام انبیائے کرام کے بارے میں ہے اور انبیاء کا تو کام ہی یہ ہے کہ خود بھی اللہ تعالیٰ کے دین پر عمل کریں اور جن کی طرف بھیجے گئے ہیں، ان سے بھی عمل کروائیں۔ اس اعتبار سے ”قائم کرو“ کے معنی کی بھی گنجائش ہے۔ قائم و دائم اور جاری رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس دین پر ہمیشہ کے لیے تسلسل کے ساتھ عمل کرو۔ محفوظ اور برقرار رکھنے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کو اپنی اصلی حالت میں برقرار رکھو۔ نیز بدعتی، گمراہ اور کجی پن والے لوگوں کی بدعت و جدت سے اس دین کی حفاظت کرو۔ ”اختلاف نہ کرو اس میں“ سے مراد یہ ہے کہ اس کو مکمل طور پر ماننے اور اس کو اپنی زندگی کا پورا دستور العمل بنانے میں اختلاف میں نہ پڑ جاؤ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی ”ازالۃ الخفاء“ میں خلافت اسلامیہ کا مقصد اقامت دین (دین کو قائم کرو) قرار دیا ہے۔ پھر وہ کام بتائے ہیں جن کے ذریعے دین قائم ہوتا ہے اور ان کے بغیر خلافت کا مقصد (اقامت دین) پورا نہیں ہو سکتا۔ ان کاموں میں علوم دینیہ کا احیاء ارکان اسلام کو قائم رکھنا، جہاد اور اس سے متعلق انواع کی تربیت و تنظیم، لڑنے والوں کے لیے گھوڑوں (اسلحہ وغیرہ) کا اہتمام مالِ فنی کے تقسیم، قضاء کا قیام حدود (اسلامی) کا نفاذ، مظالم کا خاتمہ (امن و امان کا قیام)، امر بالمعروف و نہی عن المنکر شامل ہیں۔ خلافت اسلامیہ یہ سارے کام اقامت دین کے لیے رسول اللہ ﷺ کی نیابت کرتے ہوئے انجام دے گی۔

اقامت دین آیا دینی فریضہ ہے یا نہیں؟ جاوید احمد غامدی نے ”برہان“ میں اقامت کے جو لغوی معنی بیان کیے ہیں اور ”أَقِیْمُوا الدِّینَ“ کا جو مفہوم بتایا ہے، وہ تو مفسرین کی تحقیق کے مطابق ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اس لغوی تحقیق اور ”قائم رکھنے“ کا ترجمہ کرنے سے وہ یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ اقامت دین تو دینی فریضہ نہیں ہے اور اسے فریضہ قرار دینا اپنی طرف سے دین میں ایک فرض کا اضافہ ہے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو حکم دیا کہ پورے دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو تو گویا پورے دین کو قائم رکھنا صرف ایک فریضہ ہی نہیں بلکہ فریضہ جامعہ اور اُمّ الفرائض ہے۔ غامدی مکتب فکر کی دلیل یہ ہے کہ دین کے احکام ”الدِّین“ میں شامل ہیں مگر ”أَقِیْمُوا“ کے مفہوم میں شامل نہیں ہیں اس لیے اقامت دین فرض نہیں ہے۔ یہاں ایک سوال اٹھتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے واضح حکم دیا ہے کہ پورے دین کو قائم رکھو تو پھر

یہ ”قائم رکھنا“ کیوں فرض نہیں ہے!

فقہاء نے فرض کی تعریف یوں کی ہے کہ مَا ثَبَتَ بِدَلِيلٍ قَطْعٍ لَا شُبْهَةَ فِيهِ ”وہ حکم جو ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں کوئی شبہ نہ ہو۔“ ”أَقِیْمُوا“ تو امر قرآنی ہے جس کا قطعی الثبوت ہونا شک و شبہ سے بالا ہے اور اس کی اپنے مفہوم پر دلالت بھی قطعی ہے۔ تو پھر خود فہم سلیم سے فیصلہ کیجیے کہ قطعی الدلالة امر قرآنی سے ثابت شدہ حکم اگر فرض نہیں تو پھر اور کیا ہے؟ جاوید احمد غامدی کا اس کے جواب میں کہنا ہے کہ اقامت دین فرض نہیں بلکہ ہدایت ہے، جبکہ فرض بھی تو ہدایت ہوتی ہے۔ ہدایت کہنے سے اگر دینی ہدایت میں اضافہ نہیں ہوتا تو پھر فرض کہنے سے دینی فرائض میں اضافہ کیسے ہو گیا؟ جاوید غامدی کی بات کا تو یہ مفہوم بتاتا ہے کہ دین فرض ہے اس لیے کہ احکام و فرائض دین کے مفہوم میں شامل ہیں، مگر دین پر عمل کرنا فرض نہیں اس لیے کہ احکام و فرائض عمل کے مفہوم میں شامل نہیں ہیں۔ ایسی بات کی معقولیت و معنویت کا سمجھنا عقل و فہم سے بالاتر کوئی اور ہی معاملہ ہے۔

اسی ذیل میں سید سعادت اللہ حسینی نے اپنے مضمون ”اقامت دین پر چند اعتراضات کا جائزہ“ میں مولانا وحید الدین خاں کی کتاب ”تعبیر کی غلطی“ میں اقامت دین کے تصور پر اٹھائے گئے نکات کا علمی جواب دیا ہے۔ اس کتاب میں مولانا وحید الدین نے اقامت دین کے تصور پر جو اعتراضات کیے ہیں، وہ مختصر اُدرج ذیل ہیں:

(۱) سورة الشوریٰ کی متعلقہ آیت ۱۳ میں دین کا مطلب، دراصل دین کا وہ حصہ ہے جو تمام انبیاء و رسل ﷺ کی دعوت میں مشترک ہے۔ یہ حصہ صرف اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت تک محدود ہے۔ اب آیت میں اسی کے قیام یعنی اس کی پیروی اور دعوت کا حکم دیا گیا ہے۔

(ب) سورة الصف کی آیت ۹ میں (یہی مضمون سورة التوبہ کی آیت ۳۳ اور سورة الفتح کی آیت ۲۸ میں بھی آیا ہے) کوئی حکم یا ہدایت نہیں دی گئی بلکہ یہ صرف خبر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے دین اسلام کو اپنے نبی اور رسول کے ذریعے کلی غالب کرے گا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کا اظہار ہے اور اس میں مسلمانوں کے لیے کوئی حکم نہیں ہے کہ وہ اس جد و جہد میں عملاً شریک ہوں۔

(ج) بندے اور اللہ رب العزت کے درمیان تعلق کو مضبوط کرنا ہی دین کا بڑا مقصد ہے اور یہی ایک مسلمان کا نصب العین ہونا چاہیے۔ ایک مسلمان کو دین پر عمل کرنا اور اسی کی دعوت پیش کرنی چاہیے۔ حکومت یا نظام کی تبدیلی کے لیے جدوجہد اور محنت کرنا اس کا کام ہی نہیں ہے۔

مولانا وحید الدین یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ دین کا تعلق زندگی کے تمام معاملات سے ہے، لیکن ان کا اصرار اس بات پر ہے کہ سورۃ الشوریٰ کی متعلقہ آیت میں جس دین کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس کا مطلب صرف ایمانیات ہے اور مفسرین نے بھی اس کا یہی مفہوم لیا ہے۔ یہ مکمل صحیح بات نہیں ہے۔ جن مفسرین نے بھی اس حوالے سے ایمانیات اور بنیادی باتوں کا ذکر کیا ہے، اس کے ساتھ انہوں نے اللہ کی اطاعت کو بھی دین کے مفہوم میں شامل کیا ہے۔ اس اطاعت خداوندی میں تو دین اسلام کے تمام احکامات آجاتے ہیں۔

اس آیت میں ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَيْتِ﴾ ”اور جس کی ہم نے (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ کی طرف وحی کی ہے“ کا ٹکڑا بھی شامل ہے۔ اس میں خود بخود وہ سارے احکام آجاتے ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے۔ گویا مسلمانوں پر شریعت محمدی ﷺ کی پوری پیروی اور اقامت اس آیت کی رو سے لازم ہوگی جو انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے عطا کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس متعلقہ آیت میں دوسرے انبیاء کے ادیان کا ذکر اسم موصول عام کے ذریعے کیا گیا ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا ذکر اسم موصول خاص (الَّذِينَ) کے ذریعے کیا گیا ہے۔ یہاں دین اسلام اور قیام دین کے حکم کو صرف عقائد و ایمانیات تک محدود کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

اس کے ساتھ یہ کہنا کہ مؤمن کا نصب العین رضائے الہی ہے اور قیام دین کی جدوجہد دین کا تقاضا تو ہو سکتا ہے، نصب العین نہیں ہو سکتا، یہ محض الفاظ اور طرز بیان کا فرق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اصل محرک اور حتمی ہدف تو رضائے الہی ہی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ایک خاص قسم کی جدوجہد پر منحصر ہے، جس کا ہدف پھر اقامت دین ہی ہونا چاہیے۔ آپ اگر رضائے الہی کے حصول کو نصب العین قرار دیں اور اقامت دین کو اس کی ضرورت اور تقاضا سمجھیں، تو الفاظ کی اس تبدیلی سے کوئی عملی فرق واقع نہیں ہوتا۔ دین کی اقامت اس صورت میں بھی بہر حال ایک فریضے کے طور پر باقی رہتی ہے۔

امروا واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید کو صرف نحوی اور لغوی کتب سے نہیں سمجھا جاسکتا۔ اللہ کی کتاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور اس کی تشریح بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں شامل ہے۔ الفاظ قرآنی اور اوامر قرآنی کی جو وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتائی، وہی دین ہے۔ علمی تحقیق یا مزید وضاحت کی خاطر صرف ونحو یا ادب جاہلی سے مدد لی جاسکتی ہے لیکن صرف ونحو پر ہی نظر رکھتے ہوئے حکم ثابت کرنا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات آپ کی سیرت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ارشادات اور سلف کے طرز عمل سے صرف نظر کرنا علمی و دینی بددیانتی بھی ہے۔

”اقامت دین“ کی اصطلاح بالکل صاف اور واضح ہے کہ اس کا وہی مفہوم ہمارے لیے دینی حجت ہوگا جو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہو اور سلف نے بعینہ ہمیں پہنچایا ہو۔ وہ یہی ہے کہ اپنی استطاعت اور دائرہ کار کے اندر دین اسلام کو قائم کرنے کی لازمی کوشش کرنا۔ اب یہ نکتہ آفرینی کرنا کہ دینی احکامات الدین میں تو شامل ہیں، اُقیمو میں نہیں، یا یہ کہ الدین سے مراد صرف ایمانیات ہیں جو سارے نبیوں میں مشترک ہیں، یا یہ کہ اقامت دین تو دین کا تقاضا ہے سارے مسلمانوں پر فرض نہیں، وغیرہ، یہ صرف انا کا مسئلہ اور علمی کٹ جھتی ہے جبکہ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ بات گہری توجہ چاہتی ہے کہ ہم تک سارا دین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات صحابہؓ اور سلف صالحین کے ذریعے پہنچا ہے۔ اب اگر ہم صحابہ یا سلف کا انکار کرتے ہیں تو گویا دین کے ہی منکر ہیں اور ہمیں اپنے ایمان کی خیر منائی چاہیے۔

اس کتاب کا تعلق ایک اہم دینی فریضے سے ہے اور یہ بہت خوب صورت انداز سے اعلیٰ کاغذ پر چھپی ہے۔ اسے نہ صرف ہر لائبریری بلکہ ہر گھر کی بھی زینت ہونا چاہیے۔ اسے منشورات ملتان روڈ لاہور نے شائع کیا ہے جبکہ قیمت ۱۰۰ روپے ہے۔



قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

قوم لوط کے مدفن پر ”پرائڈ لینڈ“

راناعرفان علی

ایک گمشدہ تہذیب کی آخری رات: ہم جنس پرستی کا آغاز

ایک پر رونق شام تھی۔ سرسبز و شاداب باغیچے چمکتے ہوئے محل اور دولت کی فراوانی۔ سدوم اور عمورہ کی بستیوں میں زندگی عروج پر تھی۔ وہاں کے لوگ اپنے وقت کے امیر ترین تاجر تھے جن کے پاس مادی آسائشوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ البتہ اس ظاہری چمک دمک کے نیچے ایک ایسا اخلاقی سڑاند چھپا تھا جس نے پوری انسانیت کا سر شرم سے جھکا دیا۔ یہ وہ بد بخت لوگ تھے جنہوں نے انسانی تاریخ میں پہلی بار ”ہم جنس پرستی“ (Homosexuality) اور بد فعلی جیسے گناہوں نے اور غیر فطری گناہ کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کو بدل ڈالا۔ اپنی پاکیزہ بیویوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ علانیہ جنسی تسکین حاصل کرنے لگے اور حیا و پاکیزگی کا مذاق اڑایا۔ قرآن حکیم ان کے اس بدترین اخلاقی جرم کا نقشہ حضرت لوط علیہ السلام کی زبانی یوں پیش کرتا ہے:

﴿أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ۚ إِنَّكُمْ لَعَنَّا تُونَ

الَّذِينَ جَاءُوا مِنْ دُونِ النَّسَاءِ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ﴾ (الاعراف)

”کیا تم ایسا فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے جہاں والوں میں سے کسی نے نہیں کیا؟ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت رانی کے لیے آتے ہو بلکہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔“

حضرت لوط علیہ السلام بستی کے چوک پر کھڑے ہو کر روزانہ انہیں پکارتے اور اس غیر فطری جنسی انارکی کے خلاف خبردار کرتے تھے مگر وہ قہقہے لگاتے، پاکیزہ لوگوں کو بستی سے نکالنے کی دھمکیاں دیتے اور کہتے: ”اگر تم سچے ہو تو لے آؤ ہم پر اپنے خدا کا عذاب!“ اور پھر وہ آخری رات آن پہنچی۔ بستی ہمیشہ کی طرح ہم جنس پرستی کے نشے اور عیاشی میں دھست تھی کہ اچانک فضا

میں ایک ایسی ہول ناک چیخ گونجی جس نے انسانوں کے دلوں کو پھاڑ کر رکھ دیا۔ زمین زلزلے سے کانپنے لگی اور اگلے ہی لمحے کائنات کے مالک کا حکم قہار آگیا۔ زمین کے اس پورے ٹکڑے کو جڑ سے اکھاڑا گیا، آسمان کی بلندیوں تک اٹھایا گیا اور پھر ایک ہول ناک جھٹکے کے ساتھ پوری بستی کو الٹ کر زمین پر پٹخ دیا گیا! قرآن گواہی دیتا ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَابًا مِّن سِجِّيلٍ

مَنْصُوبٍ﴾ (ہود)

”پھر جب ہمارا حکم آگیا، تو ہم نے ان بستیوں کے بلند حصے کو ان کا نچلا حصہ بنا دیا (انہیں الٹ دیا) اور ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر برسائے۔“

اس مہیب عذاب کے نتیجے میں زندگی کا ہر نشان مٹ کر راکھ ہو گیا اور وہاں صرف ایک خاموش غلیظ اور بے جان پانی کا تالاب رہ گیا جسے آج دنیا ”محر مردار“ (Dead Sea) کے نام سے جانتی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ناراضگی کی وہ مادی نشانی ہے جس کے بارے میں سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح حکم دیا تھا:

((لَا تَدْخُلُوا عَلَى هَؤُلَاءِ الْمُعَذَّبِينَ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ...))

(صحیح البخاری: ۲۳۳)

”ان عذاب دیے گئے لوگوں کے مقامات پر مت داخل ہو مگر یہ کہ تم رورہے ہو۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تھا کہ وہاں خوشیاں نہ مناؤ بلکہ وہاں سے خوفِ خدا کے ساتھ روتے ہوئے اور جلدی سے گزر جاؤ۔

پرائڈ لینڈ ۲۰۲۶ء: عذاب کی مٹی پر ابلیسی سرکش

آج اسی ملعون مٹی پر، ٹھیک اسی عذاب والی سرزمین پر، یکم تا چار جون ۲۰۲۶ء کو مشرق وسطیٰ کی تاریخ کا سب سے بڑا ہم جنس پرستی کا فیسٹیول سجایا گیا، جسے ”پرائڈ لینڈ“ (Pride Land) کا نام دیا گیا۔

وہ جگہ جہاں سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روتے ہوئے اور جلدی سے گزر جانے کا حکم دیا تھا، وہاں اس میلے کے لیے ہول ناک تیاریاں اور غیر معمولی انتظامات کیے گئے۔ بحیرہ مردار کے مشہور ساحلی علاقے ”عین بوکیک“ (Ein Bokek) کے ۱۵ بڑے اور عالی شان انٹرنیشنل ماہنامہ میثاق (86) اگست 2026ء

ہوٹلوں کو عام پبلک کے لیے مکمل طور پر بند کر کے اس چار روزہ ایونٹ کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ ان نجی ساحلوں پر چوبیس گھنٹے چلنے والے پارٹی زونز، مہیب stages اور دجالی لائٹنگ کا جال بچھایا گیا تاکہ اسی پانی کے کنارے گناہ کا بازار گرم کیا جاسکے جہاں قوم لوط غرق ہوئی تھی۔ اس فیسٹیول کو کسی نجی کلب کے بجائے اسرائیل کی وزارت سیاحت اور وزارت خارجہ کی براہ راست سرکاری فنڈنگ اور پشت پناہی حاصل رہی۔ دنیا بھر سے آنے والے ہم جنس پرستوں کو ٹل ایب ایئر پورٹ سے براہ راست یہاں لانے کے لیے ایک خصوصی ٹرانسپورٹ نیٹ ورک بنایا گیا۔ چونکہ یہ پورا علاقہ غزہ اور لبنان کی حالیہ جنگ کی وجہ سے غیر محفوظ ہے اس لیے اسرائیلی دفاعی افواج (IDF) نے اس فیسٹیول کو اعلیٰ ترین فوجی سیکیورٹی فراہم کی تاکہ بیرونی مہمانوں کو تحفظ کا احساس دلایا جاسکے۔

اس بین الاقوامی نیٹ ورک میں امریکہ، برطانیہ، جرمنی اور فرانس کے سیاح بڑی تعداد میں شامل ہیں، جنہیں لانے کے لیے Mister B&B اور Outstanding tavel جیسی عالمی کمپنیوں نے خصوصی پیکیجز بیچے۔ اس پورے کھیل کا مرکزی چہرہ اسرائیلی پاپ کلچر کا مینجر ہارون کوہن (Aaron Cohen) اور متنازع صہیونی آئیکن Dana International ہیں، جنہیں اس نظریے کو پھیلانے کے لیے براؤن ایمپیڈر بنایا گیا۔

شیطن اور تکبر کی انتہا دیکھیے کہ اس میلے کے منتظمین نے عرش بریں کو لٹکارتے ہوئے یہ نعرہ بلند کیا: "Pride rises at the lowest place on Earth"، یعنی زمین کے پست ترین مقام سے فخر کا ابھار! یہ لفظ ابھار یا اوپر اٹھنا، درحقیقت اللہ تعالیٰ کے اس عذاب کا کھلا مذاق اور توہین ہے جس نے اس گناہ کا قوم کو ذلیل کر کے زمین کے اندر دھنسا دیا تھا۔ جس جگہ کو اللہ نے سزا دے کر قیامت تک کے لیے عبرت کی نشانی بنایا، وہاں کھڑے ہو کر سر اٹھانے اور فخر کرنے کا دعویٰ درحقیقت کائنات کے مالک کو براہ راست ایک کھلا چیلنج ہے! قوم لوط کے عذاب والے دن سے آج تک پوری انسانی تاریخ میں اللہ رب العزت کے خلاف اتنی باقاعدہ بے خوف اور برہنہ بغاوت کی مثال نہیں ملتی۔

جیوپولینکل حقیقت: بلعم بن باعور کا جدید کمر

اگر آپ سمجھتے ہیں کہ بحرِ مُردار پر ہونے والا یہ میلا محض کچھ لوگوں کا ذاتی فعل ہے، تو آپ بہت ناہنامہ میثاق (87) اگست 2026ء

بڑی بھول میں ہیں۔ سیاسی اصطلاح میں اس چالاک پالیسی کو "پنک واشنگ" کہا جاتا ہے۔ یہ وہ جیوپولینکل ہتھیار ہے جس کے ذریعے غاصب اسرائیلی ریاست ایک طرف غزہ اور لبنان کے معصوم مسلمانوں پر بم برسا کر ان کا خون بہاتی ہے، اور دوسری طرف دنیا کے سامنے خود کو "روشن خیال" اور "انسانی حقوق کا محافظ" دکھانے کے لیے یہ جشن سجا کر اپنے جنگی جرائم پر پردہ ڈالتی ہے۔

یہ بالکل وہی قدیم شیطانی طریقہ کار ہے جسے تاریخ "بلعم بن باعور کا مکرم" کہتی ہے۔ یاد کیجیے تاریخ کے اس عبرت ناک واقعے کو جب بنی اسرائیل کا لشکر اسی بحرِ مُردار کے قریبی خطے میں خیمہ زن تھا، تو اس وقت کے ایک گمراہ عالم بلعم بن باعور نے، جس کا ایمان دنیاوی لالچ میں آکر مٹی میں مل چکا تھا، دشمن بادشاہوں کو ایک ہول ناک مشورہ دیا تھا۔ اس نے کہا تھا:

"ان پر کوئی تلوار یا جادو اثر نہیں کرے گا کیونکہ جب تک یہ اخلاقی طور پر پاکیزہ ہیں خدا ان کے ساتھ ہے۔ اگر انہیں برباد کرنا ہے تو ان سے لڑومت، بلکہ ان کا اخلاق تباہ کر دو! اپنے شہر کی سب سے خوب صورت عورتوں کو ان کے خیموں میں بھیج دو اور انہیں بے حیائی پھیلانے کی کھلی چھوٹ دے دو۔ اگر اس لشکر کے چند مردوں نے بھی گناہ کا ارتکاب کر لیا، تو خدا کی مدد ان سے روٹھ جائے گی اور عذاب انہیں خود ہی مٹا دے گا۔"

پھر تاریخ نے دیکھا کہ جیسے ہی ان کے قدم حیا کی حدوں کو پار کر گئے، اللہ کا غضب ٹوٹا اور ایک ہی دن میں چوبیس ہزار نوجوان طاعون کی وبا سے لاشوں میں تبدیل ہو گئے۔ آج دجالی طاقتیں اسی پرانی بלعمی حکمتِ عملی کو جدید دور میں نافذ کر رہی ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو صرف بہوں سے فتح نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک ان کے خاندانی نظام میں حیا زندہ ہے، ان کا ایمانی قلعہ ناقابلِ تسخیر ہے۔ اس لیے اب حملہ زمینی سرحدوں پر نہیں، بلکہ ہماری حیا پر کیا جا رہا ہے۔

پاکستان میں LGBTQ+ ایجنڈے کا نفاذ

عالمی ادارے جیسے آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور یورپی یونین امداد اور قرضوں کی آڑ میں ترقی پذیر مسلم ممالک پر شیطانی شرائط مسلط کرتے ہیں۔ GSP+ اسٹیٹس اور معاہدہ ساموا (Samoa Agreement) کے ذریعے پاکستان پر دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ اگر معاشی بقا چاہیے تو ملک میں مغربی طرز کی آزادی، مرد اور عورت کے قدرتی نظام کی تباہی اور بین الاقوامی LGBTQ+ ایجنڈے کو قانونی تحفظ دو۔

ماہنامہ میثاق (88) اگست 2026ء

اسی معاشی بلیک میلنگ کا نتیجہ تھا کہ ۲۰۱۸ء میں خاموشی سے ”ٹرانس جینڈر پروٹیکشن ایکٹ“ پاس کروایا گیا، جس نے ”خود ساختہ صنفی شناخت“ کی آڑ میں ہم جنس پرستی کے لیے ایک قانونی چور دروازہ کھول دیا۔ اس قانون کے نفاذ کے بعد NADRA کے سرکاری ریکارڈ میں جو ہولناک حقائق سامنے آئے وہ یہ ہیں:

مرد سے عورت: ۱۶,۵۳۰ سے زائد پیدائشی مردوں نے خود کو سرکاری کاغذات میں عورت رجسٹر کروالیا۔

عورت سے مرد: تقریباً ۱۲,۱۵۰ پیدائشی خواتین نے اپنے کوائف تبدیل کروا کر خود کو مرد درج کروالیا۔ مجموعی طور پر تقریباً تیس ہزار افراد نے اس قانون کا سہارا لے کر اپنی صنف تبدیل کرنے کی درخواستیں دیں، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قانون پاکستان میں ہم جنس پرستی اور مغربی ایجنڈے کو پھیلانے کے لیے بنایا گیا تھا۔ غیر ملکی این جی اوز کی اربوں ڈالرز کی فنڈنگ کے بل بوتے پر لبرل لابی اور داخلی حلقے اب بھی پس پردہ سرگرم ہیں تاکہ کسی نہ کسی صورت اس نظریے کو یہاں تحفظ دلا یا جاسکے اور پاکستان کے خاندانی نظام کو تباہ کیا جاسکے۔

یہی وجہ ہے کہ یہ زہر اب قانون کی دیواروں کو پھلانگ کر انٹرنیٹ، سوشل میڈیا اور اسمارٹ فونز کے ذریعے سیدھا ہمارے بیڈ روم تک پہنچ چکا ہے۔ شیطان کا وہ بلعنی مکر آج ڈیجیٹل الگورتھم (Digital Algorithms) کا روپ دھار کر ہمارے بچوں کے ذہن پر وار کر رہا ہے۔ جب بچوں کے کارٹونز، نیٹ فلکس کی سیریز اور موبائل گیمز میں حیا کو مٹا کر ان غیر فطری افعال کو ”محبت اور آزادی“ کا نام دیا جاتا ہے، تو وہ ہماری نئی نسل کو ذہنی غلام بنانے کی طرف پہلا قدم ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام اور ہماری ذمہ داری

ہمیں یہ بات گہرائی میں جا کر سمجھنی ہوگی کہ ہماری اصل طاقت کیا ہے! اللہ تعالیٰ نے ہمیں ”خیر امت“ بنا کر زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے۔ ہمارا کام مٹی کی شہوتوں میں غرق ہونا نہیں بلکہ دنیا میں حیا اور عدل کا نظام قائم کرنا ہے۔ ہماری اصل طاقت ”لا الہ الا اللہ“ کی روح ہے، جس کا مطلب ہر دجالی نظام اور بے حیائی کے سیلاب کو ٹھکراتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان گرامی یاد رکھیے جو ہمارے ایمان کی بنیاد ہے:

((مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ)) (صحیح مسلم: ۴۹)
”تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (برا جانے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“

یہ معاملہ محض ایک کہانی یا وقتی بحث کا نہیں بلکہ یہ ہمارے ایمان، ہماری حیا اور ہمارے خاندانی نظام پر ایک بہت بڑا حملہ ہے۔ ہم پر اب یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس فتنے کو اپنے دوستوں، رشتہ داروں اور خاندانی نشستوں میں زیر بحث لائیں تاکہ عام لوگ بھی اس پوشیدہ خطرے سے واقف ہو سکیں۔ اپنے بچوں کے پاس بیٹھیں اور انہیں میڈیا کے ذریعے پھیلانی جانے والی بے حیائی کے خطرات سے بچائیں۔ یاد رکھیے اگر آج ہم نے غفلت کی وجہ سے خاموشی اختیار کی، تو ہماری اگلی نسلیں اخلاقی طور پر تباہ ہو جائیں گی اور ہمیں اس کا حساب اللہ کے ہاں دینا پڑے گا۔ فیصلے کا وقت آچکا ہے: اپنے ایمان، اپنی نسلوں اور اپنے ملک کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لیے آگے بڑھیے۔

حوالہ جات

- (۱) القرآن الحکیم۔ سورہ ہود (۱۱): آیت ۸۲
- (۲) القرآن الحکیم۔ سورۃ الاعراف (۷): آیت ۱۷۵، ۱۷۶
- (۳) صحیح البخاری، کتاب الانبیاء (مقامات عذاب سے روتے ہوئے گزرنے کا بیان)
- (۴) صحیح مسلم، کتاب الایمان (برائی کو ہاتھ زبان اور دل سے روکنے کا بیان)
- (۵) The Jerusalem Post. (2026). "Four Day Pride Festival to be held at Dead Sea, largest in history of Middle East."
- (۶) Baptist News Global. (2026). "Israel promotes biggest LGBTQ+ festival ever in the Middle East, near site of Sodom: Mocking God."
- (۷) Reddit / Geopolitical Analysis. (2026). "The Emergence of Pride Land 2026 and Pinkwashing Row amidst Gaza War."



فلسطین کی حالتِ زار

علیزہ مکنون

ایک جہاز نے آسمان پر اڑان بھرتے ہوئے جب کچھ سفید و سیاہ تصاویر نشر کیں، تو وہ منظر رنگ برنگی دُنیا کے باقی حصوں سے بالکل مختلف نظر آیا۔ گویا وہ کسی قدیم تہذیب کے کھنڈرات یا باقیات ہوں جسے کسی ظالم قوم نے صفحہ ہستی سے مٹا دیا ہو۔ اُس منظر میں ایسے ویران راستے اور خاموش گلیاں نظر آئیں جو کسی منزل تک نہیں پہنچ پارہی تھیں۔ منہدم دیواریں انسانی خون کے قطروں سے رنگین تھیں۔ عمارتوں کے بلبے کا ایک ایسا ڈھیر جو کبھی کسی کے لیے یقیناً پرسکون جائے پناہ ہوا کرتا تھا!

اس سفید و سیاہ منظر کی حدود کے اندر قدم رکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ ایک بڑے رقبے پر موجود کسی قدیم تہذیب کی باقیات نہیں بلکہ (محض ۴۱ کلومیٹر لمبی اور ۶ سے ۱۲ کلومیٹر چوڑی) جدید دور کی غزہ پٹی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسے ”دُنیا کی سب سے بڑی جیل“ کہا جاسکتا ہے جس کی تمام اطراف سے ناکابندی کر دی گئی ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ غزہ کی داستان دُنیا سے اوجھل تھی اور پلک جھپکنے میں خاموشی سے اُس کا یہ حشر کر دیا گیا۔ یہ سب دُنیا کے سامنے اس طرح عیاں تھا جیسے کسی سینما گھر میں بڑی سکرین پر کوئی فلم چل رہی ہو! یہ سب کچھ اُس وقت ہوا جب امن و سلامتی اور کسی بھی ملک کی علاقائی سالمیت اور خود مختاری کے ضامن ”عالمی قوانین“ موجود تھے اور انہیں نافذ کرنے کی ذمہ دار تنظیم ”اقوام متحدہ“ بھی قائم تھی۔ دنیا کے ممالک ”آزادی“، ”انسانی حقوق“، ”حقوق نسواں“ اور اس سے ملتی جلتی سرخیوں کی نعرے بازی کرنے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوششوں میں مصروف تھے!

غزہ کی موجودہ صورتِ حال کو دیکھ کر عقل تو یہی کہتی ہے کہ ایسے نام نہاد نعرے اور برائے ماہنامہ میثاق (91) اگست 2026ء

نام تنظیمیں محض آنکھ میں دھول جھونکنے کے لیے بنائی گئی تھیں۔ شاید یہی اس ساری تباہی کے اصل ذمہ دار ہیں۔ وجہ چاہے جو بھی ہو، مگر نظر یہی آتا ہے کہ ان بے منزل سڑکوں، عمارتوں کے ملبوں، بارود آلود آسمان اور منہدم دیواروں کے سائے میں اب بھی غالباً بیس لاکھ افراد کی سانسیں موجود ہیں جو بغیر کسی بنیادی ضرورت کے ادھر سے ادھر بیگانوں کی طرح اپنے ہاتھوں میں زندگی کا خالی کٹھن لیے دوڑ رہے ہیں!

فلسطین کے باشندوں کا جرم

اسرائیل فلسطینیوں بالخصوص اہل غزہ کو مجرم دکھانے کے لیے یوں تو کئی حیلے بہانے تلاش کرتا ہے مگر درحقیقت ان کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ اپنے گھر بار سے دست بردار ہو کر اپنی سرزمین کے اختیارات صہیونیوں کے حوالے کیوں نہیں کرتے۔ اسرائیل چونکہ واضح طور پر یہ کہہ نہیں سکتا تو نہایت عقل مند اور سلیقے سے ”دفاع“ کا لفظ استعمال کر کے معصوموں کا خون چوستا ہے۔

۷ اکتوبر ۲۰۲۳ء سے شروع ہونے والی ظلم کی یہ داستان اسی حربے کی ایک مثال ہے۔ دو سال سے زیادہ جاری اس بدترین نسل کشی میں اسرائیل تمام اخلاقی اور قانونی حدود پار کر چکا ہے۔ اب ہر سلیم الفطرت انسان دیکھ سکتا ہے کہ غزہ ایسی تمام تنظیموں کا اجتماعی قبرستان بن چکا ہے جن کا قیام بین الاقوامی قوانین پر عمل درآمد کو یقینی بنانا اور انسانی حقوق، تعلیم، آزادی، جمہوریت کا فروغ تھا۔ ۷ اکتوبر تو محض ایک بہانہ تھا، درحقیقت اس کی شروعات تو فلسطین میں یہودیوں کے ایک ”قومی گھر“ بنانے کے نظریے سے ہوئی تھی۔ یہ نظریہ ایک تحریک سے شروع ہوا جسے ”صہیونیت“ کہا جاتا ہے۔ اس کا بانی تھیوڈور ہرزل نامی ایک یہودی تھا جس نے ۱۸۹۶ء میں Der Judenstaat (The Jewish State) کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا جس میں تمام یہودیوں کو فلسطین واپس جا کر اپنی علیحدہ مملکت بنانے کی تجویز دی گئی۔

اس سارے نظریے کو بین الاقوامی طور پر تب دیکھا گیا جب اس کی ابتدائی حمایت برطانیہ نے کی۔ بعد میں برطانیہ کے وزیر خارجہ آرتھر بالفور نے ۱۹۱۷ء میں یہودی برادری سے معاہدہ کر کے ایک اعلامیہ جاری کیا جو Balfour Declaration کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ اعلامیہ سلسلہ وار اپنی منزلیں طے کرتا ہوا بالآخر ۱۹۴۸ء میں اختتام کو پہنچا۔ محض ۶۷ الفاظ پر مشتمل یہی وہ اعلامیہ تھا جس نے فلسطینیوں کی زندگی کا دھارا ہی بدل دیا اور مشرق وسطیٰ میں ماہنامہ میثاق (92) اگست 2026ء

ایک ایسے تنازع کو جنم دیا جو تاحال جاری ہے۔ یہ ایک ایسا غیر منصفانہ اعلامیہ تھا جس میں ایک قوم (برطانیہ) نے دوسری قوم (فلسطینیوں) کے ملک کا وعدہ تیسری قوم (یہودیوں) سے کیا۔

سیاسی سودے بازیاں اور ذاتی مفادات

اسرائیل کے قیام کے پس پردہ حقائق کو چند جملوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں واقعات کا ایک پورا سلسلہ شامل ہے جس کی ہر کڑی دوسری کڑی سے جڑی ہوئی ہے۔ فلسطین میں اسرائیل کے قیام کی راہیں نہایت چالاک اور باریکی سے ہموار کی گئیں۔ جس کسی کے لیے جتنا ممکن ہوا اس نے اپنا مفاد عزیز رکھا۔ برطانیہ نے بھی اسی نیت سے اس نظریے کی حمایت کی۔ صاف لفظوں میں تو یہ سب سیاسی سودے بازیاں تھیں۔ کہیں برطانیہ کو صہیونیوں کی مدد درکار تھی اور کہیں صہیونیوں کو برطانیہ کی۔ اسرائیل کے قیام کا ایک حوالہ جنگ عظیم اول سے بھی متعلق ہے جس کے دوران سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ ہوا۔ اگرچہ یہ سلطنت زوال کی آخری حدیں چھو رہی تھی مگر پھر بھی وہ مسلمانوں کے لیے ایک ڈھال کی مانند تھی جس کو توڑے بغیر اغیار کے لیے فلسطین تک رسائی ممکن نہیں تھی۔ پس اپنوں کی غداری اور دشمنوں کی مکاری نے مل کر اس سلطنت کا تختہ الٹ دیا اور اُمت کو ایک ایسے زخم سے دو چار کیا جو آج تک مندمل نہیں ہو سکا۔

جنگ عظیم دوم کے واقعات کا بھی یہودیوں کو قومی گھر مہیا کرنے میں اہم کردار رہا ہے۔ اس کی نمایاں مثال جرمن نازی پارٹی کی طرف سے یہودیوں کا قتل عام ہے جسے ”ہولوکاسٹ“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ تاہم اس سے یہودیوں کو ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ دُنیا میں انہیں مظلومیت کا لیبل مل گیا۔ پھر اسی مظلومیت کی آڑ میں پہلے دُنیا کے مختلف ممالک سے فلسطین کی طرف نقل مکانی کا سلسلہ جاری ہوا اور بالآخر فلسطین میں اپنے بچے مکمل طور پر گاڑ لیے گئے۔

فلسطین کے باشندوں پر ظلم

بظاہر ۱۹۴۸ء میں یہود کا مقصد اپنی تکمیل کو پہنچا، لیکن درحقیقت یہاں سے ان کے ظلم کی ایک نئی داستان شروع ہوئی۔ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۴۹ء کا دورانیہ وہ ہے جب یہودی اور عرب مسلح گروپوں کے درمیان لڑائی جاری رہی۔ ۱۹۴۹ء میں جنگ بندی تو ہو گئی، مگر اس کا سارا فائدہ اسرائیل کے حق میں گیا، کیونکہ اس نے ۵۳۰ دیہات اور شہروں کو تباہ کر کے ۸ فیصد سے زیادہ فلسطینی زمین پر اپنا قبضہ جمالیا۔ نتیجتاً سات لاکھ پچاس ہزار سے زیادہ تعداد میں فلسطینی

بے گھر ہوئے جبکہ پندرہ ہزار سے زائد شہید ہو گئے۔ اس سارے واقعے کو آج تک فلسطینی ”النکبہ“ (تباہی) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوا۔ ۱۹۶۷ء میں عرب اسرائیل جنگ شروع ہوئی، جو چھ دن جاری رہی۔ اس میں مصر، اردن، عراق اور شام شامل تھے۔ باقی عرب اسرائیلی جنگوں کی طرح اس کا اختتام بھی اسرائیل کی فتح پر ہوا۔ اسرائیل نے مصری اور عرب افواج کو بدترین شکست سے دو چار کر کے مشرقی بیت المقدس اور غرب اردن (دریائے اردن کا مغربی کنارہ) کے ساتھ شام کی گولان کی پہاڑیوں، غزہ اور مصری جزیرہ نمائینائی پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس جنگ نے سارے مشرق وسطیٰ کو بری طرح متاثر کیا مگر سب سے زیادہ نقصان فلسطینیوں ہی کو اٹھانا پڑا کیونکہ اب وہ سرزمین اُن کے ہاتھوں سے مکمل طور پر نکل گئی جس کا کچھ حصہ پہلے ان کے قبضے میں تھا۔

دشمن کے ساتھ امن کے سمجھوتے

اب فلسطین کے باشندے اپنی مٹھی بھر زمین میں غیروں کی طرح رہنے لگے۔ کئی لوگ مہاجر بن کر قریبی ممالک میں جانے پر مجبور ہو گئے جبکہ کئی پناہ گزین خیموں میں چلے گئے۔ اسی طرح غزہ کی پٹی اور مغربی کنارے میں بھی مہاجرین کی آبادی بڑھنے لگی۔ مغربی کنارے میں صہیونیوں نے باقاعدہ اپنی بستیاں تعمیر کرنا شروع کر دیں۔ ۱۹۶۷ء میں عربوں کو ہونے والی بدترین شکست کے بعد فلسطینیوں کو اب اُن سے بھی زیادہ توقع نہیں رہی۔

یہ فطری بات ہے کہ جب انسان مسلسل ظلم برداشت کرتا رہتا ہے تو بالآخر ردِ عمل کے طور پر کوئی قدم اٹھاتا ہے۔ اسی احساس کے تحت اب فلسطین کے اندر ہی آزادی کے حصول کے لیے مزاحمت کی مختلف تنظیمیں جنم لینے لگیں۔ ”تنظیم آزادی فلسطین“ (پی ایل او) اگرچہ ۱۹۶۴ء ہی میں تشکیل پا چکی تھی مگر اب وہ زیادہ متحرک ہونے لگی۔ یہی وجہ ہے کہ اسرائیل اور اس کے مابین کافی کشیدگی جاری رہی۔ آخر کار اس تنظیم نے ہتھیار ڈال کر ”دور یاسی حل“ اور ”امن“ کے مدِ نظر اسرائیل سے معاہدہ یا دوسرے الفاظ میں سمجھوتا کر لیا۔ اسے ”اوسلو معاہدوں“ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اوسلوناروے کا دار الحکومت ہے جہاں فلسطینی اور اسرائیلی قیادتوں کے مابین خفیہ مذاکرات طے پائے۔ اس سلسلے کا پہلا معاہدہ ۱۹۹۳ء میں واشنگٹن میں ہوا جبکہ دوسرا معاہدہ

۱۹۹۵ء میں مصر میں طے پایا۔ اس کا بنیادی مقصد غزہ کی پٹی اور مغربی کنارے پر اسرائیل کے قبضے کو روکنا اور اگلے پانچ سالہ عرصے میں مغربی کنارے میں فلسطینیوں کی ایک عبوری حکومت قائم کرنا تھا۔

بد قسمتی سے عرب کی ایک مخصوص قیادت نے (سارے عرب اس میں شامل نہیں تھے) اسرائیل کو ایک جائز ملک تسلیم کر لیا اور فلسطینی اراضی کے ۷۷ فیصد حصے پر بھی اسرائیلی تسلط جائز تسلیم کر لیا۔ یہ بھی طے پایا کہ تحریک انتفاضہ اب کا عدم ہوجہ کی ہے اور اسرائیل کے خلاف مسلح کارروائی اب غیر قانونی سمجھی جائے گی۔ یوں عرب قیادت فلسطینی عوام کے حق خود ارادیت کے مطالبے سے دست بردار ہو گئی۔ اس معاہدے کو پورے عالم اسلام خصوصاً عرب ممالک میں شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اوسلو معاہدے میں فلسطین کے بنیادی ایشوز کو ڈسکس ہی نہیں کیا گیا تھا؛ مثلاً: القدس شہر کا مستقبل کیا ہوگا؟ فلسطینی مہاجرین کا مستقبل کیا ہوگا؟ مغربی پٹی اور غزہ کے علاقے میں غاصب صہیونی بستیوں کا کیا ہوگا؟ اس بھیا نک معاہدے میں یہ بھی طے پایا کہ فلسطینی اتھارٹی اسرائیلی حکومت کی نگرانی میں کام کرے گی۔ فلسطینی اتھارٹی اپنی علیحدہ فوج نہیں رکھ سکتی۔ اسرائیل، فلسطینی اتھارٹی کے کسی بھی فیصلے کو ویٹو کر سکتا ہے۔ فلسطینی اتھارٹی اسرائیل کی اجازت کے بغیر اسلحے کی خرید و فروخت نہیں کر سکتی۔ اسرائیل کے خلاف مزاحمت کاروں کو گرفتار کر کے انہیں اسرائیلی حکومت کے سپرد کرنا بھی اوسلو معاہدے میں شامل تھا۔ اسی کے ساتھ اوسلو معاہدے میں یہ بھی ظلم کیا گیا کہ فلسطینی اتھارٹی کا سرحدات پر اختیار بالکل ختم کر دیا گیا اور فلسطینی اپنی سرزمین میں آنے اور جانے کے لیے اسرائیل کی اجازت کے پابند ہو گئے۔ ایک اور خطرناک چیز اس معاہدے میں یہ ہوئی کہ اب آزادانہ طور پر کوئی بھی عرب ملک اسرائیل کی حیثیت کو تسلیم کر سکتا تھا۔

دوسرا انتفاضہ

دوسرا انتفاضہ ۲۸ ستمبر ۲۰۰۰ء کو اس وقت شروع ہوا جب لیکود کے اپوزیشن لیڈر ایریل شیرون نے یروشلم کے پرانے شہر اور اس کے ارد گرد ہزاروں سکيورٹی فورسز کی تعیناتی کے ساتھ مسجد اقصیٰ کے احاطے کا ایک اشتعال انگیز دورہ کیا۔ دو روز کے دوران فلسطینی مظاہرین اور اسرائیلی فوج کے درمیان جھڑپوں میں پانچ فلسطینی ہلاک اور ۲۰۰ زخمی ہو گئے۔ اس واقعے نے

بڑے پیمانے پر مسلح بغاوت کو جنم دیا۔ تحریک کے دوران اسرائیل نے فلسطینی معیشت اور انفراسٹرکچر کو بہت نقصان پہنچایا۔ اسرائیل نے فلسطینی اتھارٹی کے زیر انتظام علاقوں پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور علیحدگی کی دیوار کی تعمیر شروع کر دی جس نے بڑے پیمانے پر بستیوں کی تعمیر کے ساتھ فلسطینیوں کے معاش اور معاشروں کو تباہ کر دیا۔

بین الاقوامی قوانین کے تحت ایسی آبادکاری غیر قانونی ہے، لیکن گزشتہ برسوں کے دوران لاکھوں یہودی آبادکار چوری شدہ فلسطینی زمین پر بنائی گئی کالونیوں میں منتقل ہو چکے ہیں۔ فلسطینیوں کے لیے جگہ سکڑتی جا رہی ہے۔ جس وقت اوسلو معاہدوں پر دستخط ہوئے، صرف ۱۱۰,۰۰۰ یہودی آبادکار مشرقی یروشلم سمیت مغربی کنارے میں مقیم تھے۔ آج یہ تعداد ۷۰۰,۰۰۰ سے زیادہ ہے جو فلسطینیوں سے چھینی گئی ۳۹۰ مربع میل سے زیادہ اراضی پر قابض ہیں۔

غزہ کی آزادی اور ناکابندی

پی ایل او کے رہنما یاسر عرفات کا ۲۰۰۴ء میں انتقال ہوا، جس کے ایک سال بعد دوسرا انتفاضہ ختم ہوا۔ غزہ کی پٹی میں اسرائیلی بستیوں کو ختم کر دیا گیا، جبکہ اسرائیلی فوجی اور ۹۰۰۰ آبادکار غزہ سے نکل گئے۔ ایک سال بعد فلسطینیوں نے پہلی بار عام انتخابات میں ووٹ ڈالے۔ حماس نے اکثریت حاصل کر لی۔ تاہم فلسطینی اتھارٹی کی مرکزی جماعت الفتح اور حماس کے درمیان خانہ جنگی شروع ہوئی، جو مہینوں تک جاری رہی۔ اس کے نتیجے میں سینکڑوں فلسطینی مارے گئے۔ حماس نے الفتح کو غزہ کی پٹی سے بے دخل کر دیا، اور الفتح نے مغربی کنارے کے کچھ حصوں پر دوبارہ کنٹرول حاصل کرنا شروع کر دیا۔ جون ۲۰۰۷ء میں اسرائیل نے حماس پر ”دہشت گردی“ کا الزام لگاتے ہوئے غزہ کی پٹی پر زمینی، فضائی اور بحری ناکابندی کر دی۔

مصر سے متصل غزہ کی پٹی پر حملے

اسرائیل نے غزہ پر چار طویل فوجی حملے کیے ہیں: ۲۰۰۸ء، ۲۰۱۲ء، ۲۰۱۳ء اور ۲۰۲۱ء میں۔ ہزاروں فلسطینی مارے جا چکے ہیں، جن میں بہت سے بچے بھی شامل ہیں۔ دیسوں ہزار گھر، سکول اور دفتری عمارتیں تباہ ہو چکی ہیں۔ تعمیر نو تقریباً ناممکن ہے کیونکہ محاصرہ تعمیراتی سامان جیسے سیمنٹ وغیرہ کو غزہ پہنچنے سے روکتا ہے۔ ۲۰۰۸ء کے حملے میں بین الاقوامی طور پر ممنوعہ فاسفورس گیس جیسے ہتھیاروں کا استعمال شامل تھا۔ ۲۰۱۳ء میں ۵۰ دن کے دوران

ایسی نسل تیار کرنا ہوگی جو جدید علوم و فنون میں مہارت بھی رکھتی ہو اور قرآن و سنت کی فکری و اخلاقی بنیادوں پر بھی استوار ہو۔ تیسرے ایک ہمہ گیر اخلاقی انقلاب کی ضرورت ہے۔ جھوٹ، خیانت، رشوت، فحاشی و بے حیائی، سودا انصافی، عصبیت اور فرقہ واریت جیسے امراض کسی بیرونی سازش کا نتیجہ نہیں بلکہ ہماری اپنی اخلاقی کمزوریوں کی پیداوار ہیں۔ چوتھے وحدتِ اُمت کو عملی ترجیح دینا ہوگی۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ علمی یا فقہی اختلافات ختم ہو جائیں گے، بلکہ یہ ہے کہ اختلاف کو دشمنی میں تبدیل نہ ہونے دیا جائے۔ جن امور پر اُمت متفق ہے، اُن پر مشترکہ جدوجہد کی جائے اور جن معاملات میں اختلاف موجود ہے، وہاں علم، تحمل، عدل اور اخوت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ پانچویں، دعوت و اقامتِ دین کی منظم جدوجہد کو پوری اُمت کی اجتماعی ذمہ داری سمجھا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی مکہ مکرمہ میں پہلے ایک ایسی جماعت تیار کی جس کا ایمان، کردار اور نظم مضبوط تھا، پھر اسی جماعت نے مدینہ منورہ میں اسلامی معاشرے اور ریاست کی بنیاد رکھی۔

الغرض آج اُمتِ مسلمہ جس بحران سے گزر رہی ہے، وہ کسی ایک سال، ایک حکومت یا ایک جنگ کا نتیجہ نہیں بلکہ صدیوں پر محیط فکری، اخلاقی اور سیاسی انحراف کا حاصل ہے۔ اس لیے اس کا حل بھی کسی ایک سیاسی تبدیلی، معاشی منصوبے یا وقتی جذباتی لہر میں تلاش نہیں کیا جاسکتا۔ جب بھی مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا مرکز بنایا، دنیا کی قیادت اُن کے حصے میں آئی، اور جب بھی اُنہوں نے اس مرکز سے انحراف کیا، اُن کی قوت منتشر ہوتی چلی گئی۔ آج بھی عزت، وقار اور سر بلندی کا راستہ وہی ہے جو ساڑھے چودہ سو سال پہلے مکہ کی گلیوں سے شروع ہو کر مدینہ کی ریاست تک پہنچا تھا۔ حالات بدل گئے ہیں، زمانہ بدل گیا ہے، ذرائع بدل گئے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ اصول آج بھی نہیں بدلا کہ کسی قوم کی حالت اُس وقت تک نہیں بدلتی جب تک وہ خود اپنے اندر تبدیلی پیدا نہ کرے۔ بقول مولانا ظفر علی خان:۔

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا



اسرائیل نے ۲۱۰۰ سے زیادہ فلسطینیوں کو قتل کیا جن میں ۱۴۶۲ شہری اور ۵۰۰ کے قریب بچے شامل تھے۔ ”آپریشن پروڈیکٹو ایج“ کے نام سے کیے جانے والے اس حملے کے دوران تقریباً ۱۱,۰۰۰ فلسطینی زخمی ہوئے، ۲۰,۰۰۰ گھر تباہ اور ۵۰ لاکھ افراد بے گھر ہوئے۔

دنیا کا واحد ملک اسرائیل ہے جس نے اپنی سرحدوں کو اقوام متحدہ کی قراردادوں یا نقشوں کے مطابق تسلیم نہیں کیا، بلکہ اس کا دعویٰ ہے کہ اسرائیلی حدود کی تکمیل تب ہوگی جب اردن، شام، عراق، ایران، آدھاسعودی عرب اور ترکی و مصر کے کئی علاقے ریاست اسرائیل کے قبضے میں آئیں گے۔ فلسطین کی موجودہ صورت حال انتہائی تشویشناک اور بحرانی ہے۔ غزہ کی پٹی میں اسرائیلی بمباری اور زمینی کارروائیوں کے باعث تباہی اور انسانی بحران اپنے عروج پر ہے۔ جنگ کے نتیجے میں بے گھر ہونے والے لاکھوں فلسطینی خوراک، پینے کے صاف پانی، پناہ اور ادویات کی شدید قلت کا شکار ہیں۔

فلسطین کے تازہ ترین زمینی حالات اور عالمی سفارتی کوششوں کا جائزہ درج ذیل ہے:

غزہ میں انسانی بحران: خوراک اور امدادی سامان کی ترسیل میں شدید مشکلات کے سبب قحط جیسی صورت حال برقرار ہے۔ لاکھوں افراد نقل مکانی پر مجبور ہیں اور طبی امداد کا نظام مفلوج ہو چکا ہے۔

مغربی کنارہ: مغربی کنارے میں اسرائیلی فوج کی جانب سے مسلسل چھاپوں، گرفتاریوں اور یہودی بستیوں کی تعمیر کے اقدامات جاری ہیں۔

عالمی سطح پر کوششیں: اقوام متحدہ اور دیگر عالمی ادارے فوری جنگ بندی اور امدادی سامان کی فراہمی یقینی بنانے کے لیے کوشاں ہیں، تاہم اب تک دیر پا امن کے لیے کوئی حتمی معاہدہ طے نہیں پاسکا ہے۔

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر

”بیان القرآن“ کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں

آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

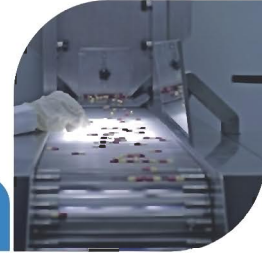
Aug 2026
Vol. 75

Regd. CPL No.115
No.8

Monthly **Meesaq** Lahore



Your Health
Our Devotion



NABIQASIM INDUSTRIES (PVT.) LTD.

Leading Pharmaceutical Manufacturing & Marketing Company, offering wide range of high quality branded generics in all therapeutic categories for domestic and international markets. Specializes in manufacturing complete range of Oral Solid Dosage, Syrups, Freeze Dried Lyophilized Injectables, Laxative Enemas, Effervescent Sachets, Dry Suspensions, Creams, Gels, Ointments, Vaginal Tablets including Hormonal Products, Oral Cephalosporin, Ophthalmic and Otic Drops, Creams and suspensions at its cGMP compliant manufacturing facility at Karachi, Pakistan. The company exports its branded generics to more than 40 countries in Asia, CIS, Middle East, Francophone Africa, Fareast, East & West Africa

INNOVATION

TECHNOLOGY

COMPLIANCE

www.nabiqasim.com